امارت شرعیہ

شبہات و جوابات

تحریر

مفکر اسلام علامہ ابوالمحاسن محمد سجادؒ

امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ
پھلواری شریف پٹنہ

سلسلہ آثار سجاد

امارت شرعیہ کی شرعی حیثیت

شبہات اوران کا ازالہ

از

امیر شریعت اول مولانا شاہ بدر الدینؒ

و

مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نائب امیر شریعت کے جوابات

جمع

محمد ضمان اللہ ندیم

ترتیب وتحقیق

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی

امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ، پھلواری شریف، پٹنہ بہار

نام کتاب	:	امارت شرعیہ کی شرعی حیثیت
ترتیب وتحقیق	:	قاضی مجاہد الاسلام قاسمی
جمع	:	محمد ضمان اللہ ندیم
ناشر	:	امارت شرعیہ (بہار واڑیسہ)
صفحات	:	۸۷
قیمت	:	
تعداد اشاعت	:	۱۰۰۰
سن اشاعت	:	ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ / مارچ ۱۹۹۹ء
کمپوزنگ	:	محمد خالد اعظمی (اسلامک فقہ اکیڈمی)

ملنے کا پتہ

امارت شرعیہ (بہار واڑیسہ)

پھلواری شریف، پٹنہ، بہار

فہرست

مکتوبات:

مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ

جوابات:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ اول

جب ہندوستان سے مغلوں کا اقتدار ختم ہوا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کا تسلط ہو گیا اس موقع پر حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے یہ فتوی دیا کہ آج کے حالات میں مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ کسی ایک شخص کو امیر بنا کر اپنی شیرازہ بندی کریں خلاصہ اس فتوی کا یہ ہے کہ جن احکام شرعی پر عمل ان کی استطاعت میں ہوا نہیں اپنے اوپر نافذ و جاری کریں۔

بہت سے علماء ایسے ملک میں جہاں اہل اسلام کا اقتدار باقی نہ رہا ہو جماعتی زندگی گذارنے کے لئے خصوصیت کے ساتھ نصب امیر کو واجب قرار دیتے ہیں، مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا مفتی کفایت اللہؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ، اس جماعت کے سرخیل تھے جو نصب امیر کو لازم اور بیعت امارت کو واجب قرار دیتے تھے۔ چنانچہ اس موضوع پر مولانا سجاد علیہ الرحمۃ اور مولانا ابوالکلام آزاد کے درمیان بزمانہ جلاوطنی رانچی میں بھی تفصیلی گفتگو ہوئی۔ اولاً نومبر ۱۹۲۱ء میں جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس میں امارت شرعیہ فی الہند کی تجویز منظور ہوئی تھی۔ پھر شوال ۱۳۳۹ھ میں بہار واڑیسہ کے لئے امارت شرعیہ کا قیام عمل میں آیا۔ امیر اول حضرت مولانا شاہ بدرالدین صاحبؒ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف باتفاق آراء منتخب ہوئے اور

حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد نور اللہ مرقدہ نے نیابت امارت قبول فرمائی۔

حضرت شاہ بدرالدین صاحب پھلواروی ہندوستان کے ان ممتاز ترین علماء میں سے تھے جن کے ظاہر و باطن کو اللہ تعالی نے سنوارا تھا۔ صاحب علم تھے، کتاب و سنت اور فقہ اسلامی پر گہری نظر تھی، باطن مصفا، قلب مجلی کردار پاکیزہ، لومۃ لائم سے بے پروا اور استقامت فکر سے نوازے گئے تھے۔ اور ابوالمحاسن، ابوالمحاسن تھے جو علم کی گہرائی و گیرائی سادگی اور بے تکلفی، نیز ورع و تقوی میں صحابہؓ کی یاد دلاتے تھے فرحمہ اللہ رحمۃ واسعا۔

اس زمانے کے نہایت ممتاز علماء میں حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ کا ذکر ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا ناقابل فراموش باب ہے۔ مولانا تحریک خلافت اور جمعیۃ علماء کے بانیوں میں ہیں، خاندان فرنگی محل کی علمی و روحانی وراثت کے امین ہیں اخلاص اور بے نفسی ان کا طرہ امتیاز رہا ہے۔

جب قیام امارت شرعیہ اور نصب امیر کی تحریک چلی تو حضرت فرنگی محلیؒ کے ذہن میں چند شبہات پیدا ہوئے، ان میں ایک اہم بات یہ تھی کہ انہیں یہ اندیشہ تھا کہ جس شخص کو اس منصب پر مقرر کیا جائے گا کبھی وہ اقتدار کے سامنے خوف سے مرعوب ہو کر یا کسی لالچ میں آ کر جھک نہ جائے اور امت کا سودا نہ کر لے۔

دوسرا شبہ مولانا کو یہ تھا کہ ان کے نزدیک ہندوستان دارالاستیلاء ہے یعنی ایسا ملک جو حقیقۃً دارالاسلام ہے لیکن اس پر غیر مسلموں کو غلبہ و اقتدار حاصل ہو گیا ہو۔ مولانا اس کے بھی قائل ہیں کہ اس عارضی استیلاء کو دور کرنا ہمارا فرض ہے لیکن وہ اس

کے متلاشی ہیں کہ کیا ایسی صورت میں امیر مقرر کر لینا اور پھر اس کی بیعت کرنا لازم و ضروری ہے اور کیا اس کی کوئی نظیر قرن اول میں موجود ہے۔ مولانا نے اس طرح کی بیعت کے جواز کا تو انکار نہیں کیا لیکن ان کو لزوم میں شک رہا ہے۔

تیسرا سوال ان کے ذہن میں یہ رہا ہے کہ اس طرح جو امیر مقرر کیا جائے گا اس کی حیثیت کیا ہوگی، آیا وہ امام اعظم ہوگا، یا والی (امیر الناحیۃ) یا قاضی؟ اگر امام اعظم تسلیم کیا جائے تو پھر اس کا ٹکراؤ خلیفہ سے ہوگا اور اس کی کامیابی کی صورت میں فتنہ پیدا ہوگا اور ناکامی کی صورت میں نیا فرقہ اور والی و قاضی کے لئے بیعت ہے نہیں۔ اس لئے اولاً امیر کی حیثیت کا تعین ضروری ہے۔

حضرت فرنگی محلی علیہ الرحمۃ کے دو خطوط کے جوابات امیر اول مولانا شاہ بدرالدین صاحبؒ نے دیئے ہیں اور تیسرے خط کا تفصیلی جواب مولانا سجادؒ نے دیا ہے، ہر دو بزرگوں کے تحقیقی جواب کا حاصل یہ ہے کہ اسلام کے عام اجتماعی قانون کے تحت مسلمانوں پر نصب امیر واجب ہے، چاہے وہ جہاں بھی ہوں اور جس حال میں بھی ہوں۔ بیعت عقبہ اولی اور بیعت عقبہ ثانیہ مکہ کی اس زندگی میں ہوئی. جب قہر و غلبہ غیروں کو حاصل تھا۔ مکہ ہو یا مدینہ، دونوں ہی دار الحرب تھے اور اسے ایک دار مانیں یا دو، بہر صورت غیروں کے اقتدار میں رہتے ہوئے کچھ افراد نے ایک فرد کے ہاتھ پر بیعت سمع و طاعت کی اور یہ بیعت محض اس بات کی نہیں تھی کہ میں. جب مدینہ آؤں گا تو میری مدد کرنا بلکہ سمع و طاعت اور اسود و احمر کے مقابلے میں. جنگ پر بیعت تھی۔

پھر یمن کے علاقہ میں اسود عنسی کا بغاوت کرنا اور غلبہ واقتدار حاصل کر لینا، دار الاسلام میں استیلاء کی نظیر ہے اور اس موقع پر صنعاء میں بوقت صبح صادق مسلمانوں کا اجتماع اور حضرت معاذ ابن جبلؓ کی امامت اور امارت پر اتفاق، نبی کریم ﷺ سے اذن حاصل کئے بغیر، مرکز اقتدار سے دور مسلمانوں پر استیلاء کفار کی صورت میں نصب امیر کی دلیل ہے۔

ان حضرات نے یہ بھی بتایا ہے کہ کہیں منتخب امیر اقتدار وقت کے سامنے جھک نہ جائے اس لئے قابل لحاظ نہیں کہ اگر اس طرح کے شک وشبہ کا اعتبار کیا جائے تو انتخاب خلیفہ بھی اس طرح کے خطرہ کے پیش نظر صحیح نہیں ہوگا خاص کر جن حالات میں خلیفہ عثمانی سلطان عبد المجید کا تقرر منصب خلافت پر عمل میں آیا وہ خلیفہ کی مقہوریت کا نمونہ ہے۔

ان بزرگوں نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ امیر شریعت کی حیثیت خلیفہ اعظم کی نہیں بلکہ والی کی ہوگی اور والی یعنی امیر ناحیہ کبھی خود خلیفہ کی طرف سے مقرر کیا جاتا ہے اور ایسی صورت میں اس کا عزل ونصب خلیفہ کے ہاتھوں میں ہوتا ہے اور جب خلیفہ کی طرف سے والی کا تقرر ممکن نہ ہو تو ارباب حل وعقد کی طرف سے والی مقرر کیا جائے گا اور اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی۔ اسی طرح مسئلہ قاضی کا ہے اصل صورت تو یہ ہے کہ خلیفہ یا والی کی طرف سے قاضی کا تقرر ہو لیکن ایسا کسی وجہ سے نہ ہو سکے تو ارباب حل وعقد پر لازم ہے کہ وہ قاضی کا انتخاب کریں اور اس کے ہاتھ پر بیعت کریں پس امیر شریعت کی حیثیت والی کی ہے امام اعظم کی نہیں۔

اسی دوران حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجادؒ کسی نشست کے سلسلہ میں لکھنؤ تشریف لے گئے اور حسب معمول ان کا قیام حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلیؒ کے یہاں رہا اور ان دنوں مولانا عبد القدیر بدایونیؒ بھی وہاں قیام پذیر تھے اس موقع پر حضرت مولانا فرنگی محلیؒ سے تفصیلی گفتگو ہوئی اور انہوں نے اپنی پہلی رائے سے رجوع کیا اور ایک تحریر لکھی جو تیسرے مکتوب کے عنوان سے اس رسالہ میں شامل ہے۔

تقریباً ۵۸ سال پہلے شائع ہونے والا یہ رسالہ جو لمعات بدریہ (مجموعہ مکاتیب شاہ بدر الدینؒ) کا جزء تھا عرصہ سے بڑی تمنا تھی کہ یہ رسالہ شائع ہو جائے۔ کئی حضرات نے امارت کی شرعی حیثیت کے بارے میں شکوک ظاہر کئے ایسے حضرات کے لئے یہ رسالہ چشم کشا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ مولانا سجاد سمینار کی تقریب کے موقع پر اس رسالہ کو شائع کرنے کی توفیق حاصل ہو رہی ہے۔ کتابت کی بعض خامیاں، خاص کر رسم الخط کی وجہ سے پیدا ہونے والی بعض دشواریاں، کچھ تعبیر و اسلوب کا فرق ان امور پر توجہ ضروری تھی، اس لئے کتابت کی غلطیوں کی ممکن حد تک تصحیح کر دی گئی ہے اور بعض خاص مقامات پر وضاحتی نوٹس لکھ دیئے گئے ہیں اسی طرح کتب حدیث اور تاریخ کے ان حوالوں کو جو اس کتاب میں دیئے گئے ہیں ان کے اصل مراجع سے مقابلہ کر کے جہاں الفاظ میں کوئی غلطی رہ گئی تھی اسے صحیح کر دیا گیا ہے اور آج جو ان کتابوں کے جدید ایڈیشن مل رہے ہیں ان کا حوالہ دے دیا گیا ہے اس طرح یہ رسالہ جمع و ترتیب اور تحقیق کے ساتھ ہدیہ ناظرین کیا جا رہا ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس حقیر خدمت کو قبول فرمائے۔

میں اپنے معاون اور رفیق کار محمد ضمان اللہ ندیم کے لئے بھی دعاء گو ہوں کہ
اللہ تعالی ان کی محنت کو قبول فرمائے اور موجب سعادت بنائے

مجاہد الاسلام قاسمی
نزیل ذاکر باغ نئی دہلی
۱۹۹۹/۳/۱۹

مسئلہ امارت سے متعلق حضرت امیر شریعت اول مولانا شاہ بدر الدین علیہ الرحمہ کے نام حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلی علیہ الرحمہ کا پہلا مکتوب گرامی

مکرمی دام مجدہ

السلام علیکم۔

چند امور متعلق امامت استرشاداً التماس کئے جاتے ہیں امید ہے کہ ان کے جوابات سے سرفراز کیا جاؤں۔ مقصد صرف اصلاح ہے نہ فساد نہ کسی منصب کی طلب نہ کسی شخصیت سے عناد ہے اس واسطے جواب صاف اطمینان بخش ہونا چاہئے۔ میں اس جگہ ان خطرات وشبہات کو بھی ذکر نہیں کرتا ہوں جو حالت مجبوری کے باعث پیش آنے والے ہیں نہ ان افعال کی حقیقت کھولنا چاہتا ہوں جو بعض اکابر سے اس قسم کے سرزد ہوئے نہ ان تجربیات کو ذکر کرنا چاہتا ہوں جو اس تحریک میں عذر کے وقت حاصل ہوئے اور جس پر نظر کر کے یہ تحریک ہمیشہ دبی رہی اور علماء نے اس کے اجراء پر جرأت نہیں کی۔ میں صرف تین سوال کرتا ہوں جو اپنے نزدیک فیصلہ کن سمجھتا ہوں۔

سوال اول:۔ مسلمانان ہند میں جس قدر مذہبی سیاسی انتشار ہے اس کے دفعہ کرنے کے لئے کیا جمعیۃ علمائے ہند کافی نہیں ہے۔ اور اس کی اصلاح اور استحکام سے کیا یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ عقائد وعبادات میں کسی مرکز کا قائم ہوجانا غیر متوقع ہے اور سیاست مذہبی میں بیعت کی کیا ضرورت ہے۔

سوال دوم: بیعت امامت. جب کبھی کسی غیر متسلط نے کی ہے، اگر کامیاب ہوئے تو فتنہ برپا ہوا۔ اگر ناکامیاب ہوئے تو ایک جدید فرقہ مسلمانوں میں پیدا ہوا جس کے نمونے ہندوستان میں بھی ہیں، اس لحاظ سے بلاضرورت اقدام اس بیعت پر کیا بے موقع نہیں ہے؟

سوال سوم:۔ مجھے جہاں تک علم ہے استیلائے کفار کی صورت میں اس قسم کی بیعت خلاف سنت ہے۔ بلکہ دارالحرب میں بھی ایسی بیعت لینا اہل دار سے ثابت نہیں ہے۔ اگر جناب کو ثبوت ملا ہو تو اس سے ضرور ایما فرمائیے۔ میں بیعت ہجرت اور جہاد کے ثبوت پر بھی اکتفاء کرلوں گا اس واسطے کہ مقصد ان بیوع کا مشترک ہے۔ اگر اس قسم کی بیعت ثابت ہوگئی تو بلاتوقف میں قبول کرلوں گا، ورنہ خطرات وشبہات کے ہوتے ہوئے اور تجربیات اکابر پر جو رائے بنی ہے، اس کے خلاف کرنا میرے نزدیک دانشمندی نہیں ہے۔ باوجود اس کے جمہور کی اتباع سے گریز کرنے کا قصد نہیں ہے۔

فقط

فقیر محمد قیام الدین عبدالباری عفا اللہ عنہ

فرنگی محل ۲۵/شوال ۱۳۳۹ھ

حضرت امیر شریعت اولؒ کے نام حضرت فرنگی محلیؒ کا دوسرا مکتوب

قبلہ عقیدت کیشان و کعبہ درویشان زیدت معالیہ

السلام علیکم۔

آج زمیندار میں میں نے جناب کا اعلان دیکھا جس سے معلوم ہوا کہ امیر الشریعت کا لقب آپ نے قبول فرمالیا ہے اور اس کے موافق نہ صرف بہار بلکہ تمام ہندوستان میں بیعت لینے کے لئے وفد روانہ فرمانے کا قصد ہے۔ چونکہ یہ مسئلہ اہم ترین مسائل سے ہے اور مجھے بہت تامل ہے، جناب کی ذات سے اس کا تعلق ہونا اور میرا تامل کرنا کچھ مناسب نہیں ہے اس واسطے امید ہے کہ جناب میرے شبہات دفع فرمادیں گے تاکہ اتفاق سے یہ تحریک ملک میں جاری ہو۔ ایک خط مکرمی مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب کے نام قبل انعقاد جلسہ ارسال کیا گیا ہے وہ غالباً دفتر امیر الشریعۃ میں ہوگا اس کو ملاحظہ فرماکے اور دوسرا عام علما کے نام کا جناب کی خدمت میں بھی گزرایا گیا ہے اس کے جواب سے بھی جلد ایما ہوگا تاکہ جلد اتفاق کرسکوں۔

یہ تحریک میری نظر میں اس قدر خطرناک ہے جس کا اجراء ہونا تمام جدوجہد کو امور خلافت و اغراض اسلامیہ میں مٹادینے والا ہے اس واسطے. جب تک مجھے اطمینان نہ ہو میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اس کے انسداد کی کوشش کروں گا اور اگر سمجھ جاؤں تو اس کے اجراء میں ساعی ہوں امید ہے کہ جواب سے جلد اعزاز بخشا جائے۔ اہم امور اس عریضہ میں بھی ارقام کئے جاتے ہیں۔

(۱) قوت غالب سے امیر الشریعۃ کا متاثر ہونا اور طمع یا خوف کا ظرف سے زاید ہو جانا کیا محتمل نہیں ہے اور اس کا ضرر کسی طریقہ سے دفع کیا جا سکتا ہے؟

(۲) شیخ الاسلام مصر و شیخ الاسلام قسطنطنیہ بلکہ خود خلیفۃ المسلمین کا قہر و غلبہ کی حالت میں نصاریٰ کے اغراض کے موافق کام کرنا جناب سے کیا پوشیدہ ہے۔ اس کا تحفظ کس طرح کیا گیا ہے۔

(۳) یا اس قسم کی بیعت سنت ہے یا نہیں اور اس کی اصلیت کہاں سے لی جاتی ہے۔ حضرت ﷺ کے وقت میں استیلاء کفار ہوا، کیا اس وقت جہاں استیلاء ہوا ہے وہاں کے مسلمانوں کی بیعت ثابت ہوتی ہے یا دار الحرب میں اہل دار سے بیعت لی گئی ہے۔

(۴) اگر صورت استیلاء میں بیعت ہندوستان میں حیات شریعت کے لئے کافی ہے تو پھر عراق میں، یورپ و قسطنطنیہ میں اس قسم کی بیعت کا نا کافی ہونا کس وجہ سے ہے مابہ الفرق ایما فرمایا جائے۔

(۵) نصاریٰ کا یہ دعویٰ کہ تمہارا خلیفہ باوجود ہمارے استیلاء کے آزاد ہے اور جو فرائض اس کے متعلق ہیں وہ انجام دے سکتا ہے۔ اس کے لئے سلطنت کی ضرورت نہیں کیا ہمارے اس فعل سے قوی نہیں ہوتا ہے؟ اقل درجہ یہ احتمال نہیں ہے کہ اس سے وہ فائدہ اٹھائیں گے۔

(۶) ہندوستان میں امور سیاسیہ کے نظام کی غرض سے جمعیۃ العلماء کا انعقاد ہوا ہے اس کا صدر کیا وہ فرائض انجام نہیں دے سکتا ہے۔ جو امیر الشریعۃ یا اسی قسم کا

شخص انجام دے سکتا ہے اور کیا امیر الشریعۃ ہمارے عقائد و اعمال عبادیہ کی بھی نگرانی کرے گا یا صرف امور سیاسیہ کی، اگر اعمال عبادیہ و عقائد کی بھی نگرانی کرے گا تو اختلافات کی صورت میں کیا رویہ ہوگا؟

(۷) کیا اس بیعت کے بعد کوئی عمل مخصوص بھی پیش نظر ہے یا محض بیعت ہی بیعت ہے، اس عمل کے انجام دہی کے واسطے ملک تیار ہے یا تیار کیا جا سکتا ہے۔ اس کی بھی فکر ہے کیا اس فکر کے بعد آزادی سے یہ سلسلہ بیعت کا جاری رہ سکتا ہے۔

مجھے امید ہے کہ جناب میرے اس مخلصانہ التماس کو بغور ملاحظہ فرما کر جواب شافی عطا کریں گے۔

والسلام

قیام الدین محمد عبدالباری عفا اللہ عنہ۔ ۲۷ر شوال ۱۳۳۹ھ

جناب محترم دام احترامکم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دو قطعے آپ کے مفاوضہ عالیہ نے جو ۲۵/اور ۲۷/شوال کے رقم فرمائے ہوئے تھے احقر کی عزت افزائی فرمائی اور جس عنایت کے ساتھ اس کمترین کو یاد فرمایا ہے اس کا شکر گزار ہوں۔ ذکر تمونی ذکر کم اللہ تعالی بالخیر

میں اس زمانہ میں شدید تپ میں مبتلا تھا اس کے بعد ضعف کی زیادتی نے کچھ لکھنے وغیرہ کے کاموں سے قاصر رکھا۔ کاش امیر شریعت کوئی دوسرا شخص منتخب کیا گیا ہوتا۔ اور اس کی ضرورت پر احقر سے دلائل پوچھے جاتے تو اس کے لکھنے میں مجھے عذر نہ ہوتا۔ لیکن اس حالت میں کہ میں امیر شریعت منتخب اور مقرر کردیا گیا ہوں اس کی ضرورت پر دلائل لکھنے کو دل آمادہ نہیں۔ مگر کیا کروں آپ کے حکم کی تعمیل بھی ضروری ہے۔

جناب کے گرامی نامہ کے ان شبہات کے متعلق جن کی بنا جناب کے تفقہ فی الدین پر ہے مختصراً چند اشارے عرض کرتا ہوں مجھے جناب گرامی کی صداقت اور خلوص للہی پر اعتماد ہے۔ جناب نے ۲۷/شوال کے عنایت نامہ میں خود رقم فرمایا ہے کہ ''اگر سمجھ جاؤں اس کے اجراء میں ساعی ہوں'' مجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جناب کو علم، فضل سے پوری طرح پر بہرہ مند فرمایا ہے اور مدت دراز سے علم و فضل آپ کے

خاندان میں چلا آتا ہے اس لئے زیادہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔

۲۵ رشوال کے گرامی نامہ میں آپ نے تمہید کے بعد تحریر فرمایا ہے " میں صرف تین سوال کرتا ہوں جو اپنے نزدیک فیصلہ کن سمجھتا ہوں۔

> سوال اول: مسلمانان ہند میں جس قدر مذہبی، سیاسی انتشار ہے اس کے دفع کرنے کے لئے جمعیۃ علماء ہند کافی نہیں ہے اور اس کے اصلاح اور استحکام سے کیا یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا؟

عرض ہے کہ جمعیۃ علماء بہار اور بنگال پہلے، پھر جمعیۃ علماء ہند قائم ہوئی۔ مقاصد مقررہ میں اس وقت تک کتنے انجام پائے اور کتنے باقی ہیں شاید جناب کو معلوم ہو۔ مجھے اب تک جمعیۃ علماء ہند کے کاموں کے انجام فرمانے کی خبر نہیں۔ اس سوال کے آخری حصہ میں آپ نے فرمایا ہے یہ ظاہر ہے کہ عقائد و عبادات میں کسی مرکز کا قائم ہوجانا غیر متوقع ہے اور سیاست مذہبی میں بیعت کی کیا ضرورت ہے۔

قیام مرکز مذکور کے متعلق عرض ہے کہ جمعیۃ علماء ہند میں کل اہل سنت ہیں اور اہل سنت کے عقائد منضبط ہیں۔ اشعریہ اور ماتریدیہ کے اختلاف سے کوئی نقصان اہل سنت کے اتحاد میں نہیں ہوا، ائمہ اربعہ کے متبعین کے درمیان باہمی اختلاف نے بھی جنگ و جدال کی صورت نہ پکڑی تو ان اختلافات کے رہنے کے ساتھ جو مو. جب جنگ و جدال نہیں ایسے وقت میں کہ ہر کہ مہ اتفاق اور اتحاد پر آمادہ نظر آرہا ہے۔ اہل سنت میں سے کسی ایک مرکز کا قائم ہوجانا آپ غیر متوقع نہ سمجھیں۔

آپ فرماتے ہیں "سیاست مذہبی میں بیعت کی کیا ضرورت ہے"۔

امیر شریعت کا تعلق اگر مجرد سیاست مذہبی تک محدود ہوتا تو بھی نظام درست

کرنے اور اس کے قیام و استحکام کے لئے لوگوں سے بیعت اطاعت لینے کی ضرورت ہوتی اور جب سیاست مذہبی تک محدود بھی نہیں ہے بلکہ اقامت صلوۃ اور ایتاء زکوۃ اور نصح مسلم وغیرہ سب کام شامل ہیں تو یہ کہنا کہ سیاست مذہبی میں بیعت کی کیا ضرورت ہے صحیح نہیں۔ یہ بیعت اطاعت ہے جس کو اللہ تعالی نے بیعت نساء کے حکم کے اندر فرمایا ہے **ولا یعصینك فی معروف** (۱۲۔الممتحنہ) مردوں کی بیعت میں جو کلمات پہلے مروج ہو چکے تھے بیعت نساء میں بھی اللہ تعالی نے ان ہی کلمات کو باقی رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔ مردوں کی بیعت کا پہلے سے معمول اور مروج ہونا اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالی نے فرمایا: **یا ایها النبی اذا جاءك المومنات یبایعنك الآیة** (۱۲۔الممتحنہ)۔ یہ عورتوں کا بیعت کے لئے آنا اور انکی یہ درخواست اسی بنا پر تھی کہ اصحاب کی بیعت کرنے کو وہ سنا کرتی تھیں، انہیں بھی اس کی تمنا ہونی ضروری تھی۔

اصحاب کی بیعت میں ان کلمات کا ہونا جو قرآن مجید میں عورتوں کی بیعت میں ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث میں بروایت حضرت عبادہ بن الصامتؓ موجود ہے۔ مجھے یہاں ان میں سے یہ جملہ مقصود ہے ولا تعصوا فی معروف۔(۱)

اس کے علاوہ خاص بیعت اطاعت بھی تو سنن ابن ماجہ کی حدیث میں ہے:

عن عتاب مولی هرمز قال سمعت انس بن مالك یقول بایعنا رسول الله ﷺ علی السمع والطاعة فقال فیما استطعتم۔(۲)

۱۔ (رواہ البخاری فی کتاب الایمان رقم الحدیث ۱۸۔وفی کتاب التفسیر وغیرہ من الابواب۔ ورواہ مسلم رقم الحدیث ۱۷۰۹)

۲۔ (سنن ابن ماجہ ۹۵۸/۲، باب البیعة ٤١ (کتاب الجہاد) رقم الحدیث: ۲۸۶۸ مسند موسوعة السنة ۱۸)

سوال دوم: بیعت امامت جب کبھی کسی غیر متسلط نے کی ہے اگر کامیاب ہوئے تو فتنہ بر پا ہوا۔ اگر ناکامیاب ہوئے تو ایک جدید فرقہ مسلمانوں میں پیدا ہوا جس کے نمونے ہندوستان میں بھی ہیں۔ اس لحاظ سے بلاضرورت اقدام اس بیعت پر کیا بے موقع نہیں ہے؟

اس سوال کے پہلے حصہ کے متعلق عرض ہے جس کا آپ نے اشارہ فرمایا ہے۔ یہ بیعت امامت غیر متسلط کی اپنی امامت اور خلافت کے دعوے میں اصل خلافت اور امامت کے خلاف میں ہوئی تھی اور اس کے متسلط اور کامیاب ہو جانے پر فتنہ بر پا ہونا بھی ضروری تھا۔ اور جب دعوی امامت نہیں اور اصل خلافت کا خلاف مقصود نہیں تو فتنہ کیوں ہوگا؟

حصہ دوم کی نسبت گذارش ہے کہ اس کے بانی کا مقصود ہی یہ تھا کہ نیا فرقہ بنائے اور جب جس جگہ نیا فرقہ بنانا مقصود نہ ہو تو نیا فرقہ کیوں بنے گا؟

حصہ سوم میں آپ نے فرمایا ہے ''اس لحاظ سے بلاضرورت اقدام اس بیعت پر کیا بے موقع نہیں ہے'' عرض یہ ہے کہ جن باتوں کا لحاظ کرنے کو آپ نے فرمایا ہے الحمد للہ کہ ان دونوں باتوں میں سے کوئی بھی '' مانحن فیہ '' نہیں ہے یہی وجہ ہوئی کہ حاضرین علماء نے بیعت میں کوئی ضرر نہ دیکھا اور بیعت کی ضرورت سمجھ کر ہی بیعت کی۔

سوال سوم: مجھے جہاں تک علم ہے استیلاء کفار کی صورت میں اس قسم کی بیعت خلاف سنت ہے بلکہ دار الحرب میں بھی ایسی بیعت لینا اہل دار سے ثابت نہیں ہے اگر جناب کو ثبوت ملا ہو تو اس سے ضرور ایما فرمائیں۔ میں بیعت ہجرت اور

جہاد کے ثبوت پر بھی اکتفا کرلوں گا۔ اس واسطے کہ مقصدان بیوع کا مشترک ہے اگر اس قسم کی بیعت ثابت ہوگئی تو بلا توقف میں قبول کرلوں گا۔ ورنہ خطرات و شبہات کے ہوتے ہوئے اور تجربیات اکابر پر جو رائے بنی ہے اس کے خلاف کرنا میرے نزدیک دانشمندی نہیں ہے باوجود اس کے جمہور کی اتباع سے گریز کرنے کا قصد نہیں فقط۔

جناب عالی اصل سنت تو حضرت رسول اللہ ﷺ کے افعال اور آپ کے خلفاء راشدین مہدیین کے افعال کی پیروی ہے۔ ملک عرب کا وہ حصہ جس کو حجاز کہتے ہیں آنحضرت ﷺ کی ہدایت سے آپ کے زمانہ میں دارالاسلام ہوگیا تو پھر وہاں کفار کا استیلاء آپ کے زمانہ میں یا خلفاء راشدین کے عہدوں میں ہوا ہی نہیں تو دارالاستیلاء میں بیعت کا سنت نبوی یا سنت خلفاء راشدین ہونا کس طرح ثابت ہوا اور آپ ناشدہ چیز کا ثبوت کیوں چاہتے ہیں؟

باقی رہا کہ بغیر حضرت رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے اصحاب کا اپنوں میں کسی ایک کو امیر بنا لینا اور اس کی اطاعت کرنی اس کا بیان قریب میں آئے گا۔ اگر آپ کا مقصود فتنہ یمن سے ہے جس کے چند بلاد پر اسود عنسی کا قبضہ ہوگیا تھا اور چند بلاد پر اصحاب قابض تھے جس کو مفاوضہ ثانیہ میں آپ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ حضرت ﷺ کے وقت میں استیلاء کفار ہوا، کیا اس وقت جہاں استیلاء ہوا ہے وہاں کے مسلمانوں کی بیعت ثانیہ ہوتی تھی۔ یعنی اس میں بیعت کا ثبوت ان اصحاب کے فعل سے چاہتے ہیں جو وہاں موجود تھے حقیقت یہ ہے کہ جن بلاد پر اس نے جنگ کر کے قبضہ کرلیا تھا۔ وہاں کے بہت مسلمانوں کو جنگ میں شہادت نصیب ہوئی۔

کچھ قید ہونے کے بعد طرح طرح کی تکلیفیں اٹھا کر شہید ہوئے۔ قتل و قید سے بچے ہوئے لوگ اپنے اپنے والیوں کے ساتھ دوسرے دوسرے شہروں میں چلے گئے ان کے بارے میں ابن خلدون نے لکھا ہے۔

تاریخ ابن خلدون جلد۲ صفحہ ۶۱، و تراجع اصحاب النبی ﷺ الی اعمالهم و تنا فسوا الا مارة فی صنعأ ثم اتفقوا علی معاذ فصلی بهم و کتبوا الی رسول الله ﷺ بالخبر و کان قد اتی خبر الواقعة من السماء فقال فی غداتها قتل العنسی البارحة، قتله رجل مبارك و هی فیروز ثم قدمت الرسل۔

تنا فسو االامارة فی صنعاء ثم اتفقوا علی معاذ فصلی بهم سے ظاہر ہے کہ وہاں جتنے اصحاب تھے ان سب نے حضرت معاذ کو اپنا امیر مقرر کر لیا اس کے بعد حضرت معاذؓ نے نماز میں ان سب کی امامت کی اس وقت وہاں اصحابؓ کا بالاتفاق اپنوں میں سے ایک کو امیر اپنا بنا لینا بغیر اس کے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ سے اجازت حاصل کر لیں دلیل ہے کہ مرکز خلافت سے دور رہنے والے مسلمان اپنا ایک امیر مقرر کر لیں تو جائز اور سنت اصحاب ہے جو حیات میں آنحضرت ﷺ کے ہوا ہے۔ گو ابن خلدون نے بیعت کا لفظ نہیں لکھا ہے لیکن بیعت کیا ہے؟ معاہدہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایک شخص کو اپنا امیر بنانے کے لئے جتنے لوگ باہم اور متفق ہوں گے اور امیر بنا سکے تو اس امیر کی اطاعت کو بھی لازمی جانیں گے اور اطاعت کرتے رہیں گے گو زبان سے ''بایعنا'' کا لفظ نہ کہا ہو۔ امیر کی بیعت عام کا مفاد اطاعت ہی ہے اور وہ

امیر تسلیم کر لینے ہی سے ہوتا ہے۔

ہندوستان کو آپ دار الاسلام کہتے ہیں یا دار الحرب۔ اگر دار الاسلام کہتے ہیں تو بحث کا خاتمہ ہے اور اگر دار الحرب کہتے ہیں تو آپ بتائیں کہ یہاں جتنے کام سنت کے کیے جا رہے ہیں۔ کیا ان سبھوں کے سنت ہونے کی سند دار الحرب میں اہل دار کو تلقین کرنے کی ہیں اگر نہیں تو دار الحرب میں اہل دار سے بیعت کی سند کی جستجو کیوں ہے۔

دار الحرب میں بیعت اور بیعت ہجرت اور بیعت جہاد کی بحث یہاں پر میں فضول جانتا ہوں اس لئے کہ ہندوستان کو دار الحرب آپ نہیں فرماتے ہیں، سال گزشتہ میں ہجرت کا فتوی دیتے ہوئے آپ نے ہندوستان کو دار الامن رقم فرما کر یہاں سے ہجرت کو مستحب قرار دیا تھا فرض نہیں فرمایا تھا اس وقت بھی دار الاستیلاء فرماتے ہیں دار الحرب نہیں۔

مفاوضہ ثانیہ مورخہ ۲۷ رشوال میں آپ نے رقم فرمایا ہے کہ آج زمیندار میں میں نے جناب کا اعلان دیکھا جس سے معلوم ہوا کہ امیر الشریعۃ کا لقب آپ نے قبول فرمایا ہے اور اس کے موافق نہ صرف بہار بلکہ تمام ہندوستان میں بیعت لینے کے لئے وفد روانہ کرنے کا قصد ہے اس کے جواب میں عرض ہے کہ میری طرف سے چند اخباروں کے پرچوں میں ایک اعلان دیا گیا ہے جو منصور اور روزانہ وکیل میں چھپ گیا ہے ان سب میں وہی چھپا ہے جو لکھا گیا ہے۔ زمیندار نے غلطی کی میں نے اس میں صوبہ بہار کے لئے اعلان کیا ہے نہ کہ تمام ہندوستان کے لئے۔

اس کے بعد آپ نے تحریر فرمایا ہے ''یہ تحریک میری نظر میں اس قدر خطرناک ہے جس کا اجراء ہونا تمام جدوجہد کو امور خلافت و اغراض اسلامیہ میں مٹادینے والا ہے اس واسطے۔ جب تک مجھے اطمینان نہ ہو میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اس کے انسداد کی کوشش کروں گا۔ اور اگر سمجھ جاؤں تو اس کے اجراء میں ساعی ہوں''۔

تعجب ہے کہ جناب نے ایک ایسی تحریک کو جو حالات حاضرہ میں واجبات سے ہے کس بنا پر خطرناک قرار دیا ہے گمان غالب ہے کہ جناب کو یہ بات معلوم ہو گی کہ علماء کرام کی ایک معتد بہ جماعت نے کئی جلسوں میں بحث و تمحیص کے بعد اس تحریک کو منظور فرمایا۔ علماء کی ایک جماعت کثیرہ یہ یقین رکھتی ہے کہ اب ہندوستان میں نظام شرعی کا قیام اور اتنے دنوں کی غفلت کا کفارہ بدون امارت شرعیہ کے غیر ممکن ہے۔

جناب نے اہم امور کے نمبروار ذکر میں نمبر اول یہ ارقام فرمایا ہے کہ قوت غالب سے امیر شریعت کا متاثر ہونا اور طمع یا خوف کا ظرف سے زائد ہو جانا کیا محتمل نہیں ہے۔ اور اس کا ضرر کس طریقہ سے دفع کیا جا سکتا ہے۔

عرض ہے کہ سلسلہ عصمت مآبی ملائکہ اور انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی ذوات گرامی پر ختم ہو چکا اور قوت مخالف کے خوف یا طمع سے متاثر ہونے کے احتمالات ناشیہ عن غیر دلیل کبھی امور خلافت و امارت و امامت میں مانع نہ ہوئے۔ اور اگر ان احتمالات کا اعتبار کیا جائے تو پھر نہ دین کا کام انجام پا سکتا ہے نہ دنیا کا۔ اگر امیر شریعت ان امور سے متاثر ہو جائے تو اس کے ضرر کا ازالہ مسلمانوں کے ہاتھ موجود

ہے۔ غالباً حضرت فاروقؓ کا یہ ارشاد "انا عوجحت فبکم تقومونی" سن کر ایک نوجوان کا جواب (اقومك بالسیف) جناب کے علم حافظہ میں یقینی ہوگا۔ آپ باور فرمائیں کہ امیر شریعت آپ جیسے مستند علماء کے مشورہ کے بغیر کوئی اہم حکم نافذ نہیں کرے گا۔ الحمدللہ کہ صوبہ بہار کی زمین باایں ہمہ علمی سرد بازاری کے اپنے علماء کرام کے گراں مایہ وجود پر فخر اور ان کے احترام اور عزت کرنے میں دوسرے صوبوں سے کم نہیں ہے۔ ارشاد ہوا ہے کہ شیخ الاسلام مصر اور شیخ الاسلام قسطنطنیہ بلکہ خود خلیفۃ المسلمین کا قہر و غلبہ کی حالت میں نصاریٰ کے اغراض کے موافق کام کرنا جناب سے کیا پوشیدہ ہے اس کا تحفظ کس طرح کیا گیا۔

گزارش ہے کہ اس حالت میں تو غالبا جناب کے نزدیک کسی خلیفۃ المسلمین کی حاجت بھی باقی نہیں رہتی تا بامیر شریعت چہ رسد اور جب جناب کے اس شبہ سے خلافت ہی مستاصل ہو رہی ہے تو پھر امیر شریعت کے تحفظ کی کیا حالت باقی رہ گئی۔ اس مسئلہ کو صاف ہو جانا چاہئے کہ استیلاء نصاریٰ اور غلبہ طمع دنیوی کی حالات حاضرہ میں جناب گرامی کے خیال میں خلافت اسلامیہ اور اس کے تسلیم، نصب والی اور اس کے اتباع کی حاجت ہے یا نہیں۔ میں عرض کرتا ہوں کہ امیر شریعت علماء کی معتد بہ جماعت کے مشورہ سے کبھی غافل نہ رہے گا اور نہ علماء کی جماعت اس سے غافل رہے گی یہی ایک صورت تحفظ کی ہے۔

ایا اس قسم کی بیعت سنت ہے یا نہیں، اور اس کی اصلیت کہاں سے لے جاتی

ہے حضرت ﷺ کے وقت میں استیلاء کفار ہوا، کیا اس وقت جہاں استیلاء ہوا ہے وہاں کے مسلمانوں کی بیعت ثابت ہوتی ہے یا دارالحرب میں اہل دار سے بیعت لی گئی ہے۔

جناب کے مفاوضہ اولیٰ میں بھی یہی سوال ۳ میں تھا اس کے بارہ میں احقر کچھ عرض کر چکا ہے۔ ساتھ اس کے گذارش ہے کہ عنسی کے سبب سے جو فتنہ یمن میں رونما ہوا اس کی اطلاع وقت وقت پر آنحضرت ﷺ کے حضور میں بلاد یمن کے والیان دیتے رہے تھے ابتدائی حالت میں احکام نبوی کے انتظار کے سوائے اپنی رائے سے کام نہ کیا۔ جب عنسی حملہ آور ہوا اور جنگ شروع ہوگئی تو بارگاہ رسالت سے استجازت اور استرضاء کا وقت باقی نہ رہا تھا۔ پسپا ہونے والے والیوں میں سے صنعاء میں جن کا اجتماع ہوا تاریخ ابن خلدون سے وہاں کی باتیں میں نے گذارش کر دی ہیں یہاں دوہرانے کی ضرورت نہیں۔

حجاز میں حضرت رسول اللہ ﷺ کے وقت میں تو استیلاء کفار کیا ہو سکتا تھا، آپ کے بعد بھی نہ ہوا۔ پھر آپ دارالاستیلاء میں بیعت کو سنت نبوی ہونے کی جستجو فرما رہے ہیں، تعجب ہے۔ جتنی سنتیں آج کل ہندستان میں جاری ہیں کیا آپ کے پاس ان سبھوں کی سنیت کا ثبوت دارالاستیلاء میں ہے۔ اگر نہیں ہے اور یقیناً ایسا نہیں ہے تو اس بیعت کی سنیت دارالاستیلاء میں کھوجنے پر اصرار کیوں ہے۔

دارالحرب میں اہل دار سے بیعت کے سنت ہونے کا ثبوت بیعت عقبہ

ہے۔اس بیعت کا ذکر صحیح بخاری میں مکرر ہے۔ بیعت عقبہ کے وقت تمام ملک عرب دارالشرک تھا دارالکفر تھا دارالحرب تھا۔ مکہ معظمہ طائف مدینہ منورہ وغیرہ ہر جگہ مشرکین کا غلبہ تھا استیلاء تھا استعلاء تھا مشرکین ہی کا مجمع تھا۔ایسی جگہ ایسے وقت میں جو بیعت ہوئی اس کو دارالحرب میں اہل دارالحرب سے بیعت ہونی نہ کہیں گے تو کیا کہیں گے۔آپ کے نزدیک کیا یہ بیعت دارالحرب میں اہل دارا سلام سے تھی یہ نہیں تو کیا دارالاسلام میں اہل دارالحرب سے تھی۔ یہ بھی نہیں تو کیا دارالاسلام میں اہل دارالاسلام سے تھی۔ جب ان تین صورتوں میں سے کوئی بھی نہ تھی تو ماننا پڑے گا کہ یہ بیعت دارالحرب میں اہل دارالحرب ہی سے ہوئی تھی۔

مسلمانان اپنے دین سے بے خبر ہیں اور اس بے خبری کی وجہ سے اپنے فرائض اسلامی کے انجام دینے سے قاصر ہیں۔شریعت مصطفویہ کے احکام کی تعمیل کے لئے عام مسلمانوں سے عہداوراقرار لینے کی ضرورت ہے تاکہ آئندہ وہ احکام شرعیہ کے قبول اوراس کے انجام دینے میں سرد مہری نہ کریں یعنی امیر شریعت یا اس کے نائب سے عام مسلمان ان الفاظ میں اقرار کریں کہ خدااور خدا کے رسول کا جو حکم بتایا جائے گا اس کو ہم مانیں گے یہ بیعت اطاعت ہے۔اس زمانہ کی موجودہ حالت میں بیعت اطاعت لینے کی شدید ضرورت ہے۔

بیعت اطاعت کا سنت ہونا سنن ابن ماجہ کی حدیث سے مفاوضہ اولیٰ کے جواب میں پیش کرچکا ہوں۔ یہاں صحیحین کی حدیث حاضر ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت ہے۔ دعانا النبی

ﷺ فبا يعناه فقال فيما اخذ علينا ان بايعنا على السمع والطاعة في منشطنا و مكرهنا وعسرنا و يسرنا و اثرة علينا وان لا ننازع الامر اهله إلا ان ترو اكفرا بوا حا عند كم من الله فيه برهان۔ (۱)

صحیح مسلم میں بھی یہ حدیث انہی الفاظ میں ہے۔ اور دوسری روایت میں بغیر ضمائر کے ہے اور بجائے الا ان تروا کفر ابواحا کے یہ جملہ ہے وعلى ان نقول بالحق اینما کنا لا نخاف في الله لو مة لائم۔ (۲)

اگر صورت استیلاء میں بیعت ہندوستان میں حیات شریعت کے لئے کافی ہے تو پھر عراق یا یورپ وقسطنطنیہ میں اس قسم کی بیعت کا ناکافی ہونا کس وجہ سے ہے۔ مابہ الفرق ایما فرمایا جائے۔

مجرد بیعت کو کافی ہونا کس نے کہا ہے یہ بیعت تو حیات شریعت کے حصول نظام کا ذریعہ اور واسطہ ہے۔ مقصود نظام شرعی ہے جو آئندہ خلافت اسلامی کو قوت دینے والا ہے۔ مجرد بیعت (اگر اسے اپنے مقصد کی طرف آگے نہ بڑھایا گیا تو) حقیقی

۱۔ (رواه البخاری عن اسماعیل بسنده الی جنادة بن ابی امیه قال دخلنا علی عبادة بن الصامت وهو مریض قال اصلحك الله الخ... وفی حدیث رقم ۷۰۵۶/ فقال فیما اخذ علینا ان بایعنا علی السمع والطاعة فی منشطنا و مکرهنا وعسرنا ویسرنا واثرة علینا وان لا ننازع الامر اهله الا ان تروا کفرا بواحا۔ عندکم من الله فیه برهان ۔انظر الحدیث رقم ۱۸/ ۔ ۷۲۰۰ وایضا اخرجه مسلم انظر حدیث رقم ۱۷۰۹ وفی الامارة ۔ ۴۱۔۴۲)

۲۔ (اخرجه مسلم فی کتاب الامارات رقم الحدیث (۴۱) ولفظه "قال بایعنا رسول الله ﷺ علی السمع والطاعة فی العسر والیسر والمنشط والمکره وعلی اثرة علینا وعلی ان لاننازع الامر اهله۔ وعلی ان نقول بالحق اینما کنا۔ لانخاف فی الله لومة لائم)

حیات شریعت کے لئے کافی نہیں۔ خواہ ہندوستان میں ہو یا یورپ اور قسطنطنیہ میں۔ پھر بھی مقصد خلافت کو اپنی جگہ رکھتے ہوئے یہی بیعت نظام شرعی کی تحصیل اور استحکام کے لئے اوکدالواجبات سے ہوگی۔ کیونکہ نظام شرعی حصول قوت خلافت اسلامیہ کا وسیلہ ہونے کے علاوہ فی نفسہ اہم الواجبات سے ہے۔ خدانخواستہ باشد اگر عراق اور قسطنطنیہ میں کفار کا ایسا ہی استیلاء ہو جائے جیسا کہ ہندوستان میں ہے تو وہاں کے مسلمانوں پر بھی اس عذاب کے دفع کے لئے اسی نظام شرعی کا برپا کرنا واجب ہو جائے گا۔ اس وقت وہاں ضرورت نہیں۔

دوم یہ کہ استیلاء کی صورت ہو یا نہ ہو بہر حال حیات شریعت کا دارومدار خلافت اسلامیہ کے تحفظ اور خلافت کی اصلی صورت اور مرکزی قوت پر آجانے میں ہے۔ یہ بیعت بھی حقیقت میں خلافت اسلامیہ کی مرکزی قوت پیدا کرنے کے لئے لی جارہی ہے۔ حیات شریعت کامل طریقہ پر اسی وقت انشاءاللہ تعالیٰ حاصل ہوگی جب خلافت اسلامیہ غیروں کے تسلط سے آزاد اپنی مرکزی حالت میں ہو جائے گی۔ اسی کی ایک تنظیمی صورت پیدا کرنے کے لئے یہ اہتمام ہے کوئی دوسرا کام ملحوظ نہیں۔

نصاریٰ کا یہ دعویٰ کہ تمہارا خلیفہ باوجود ہماری استیلاء کے آزاد ہے اور جو فرائض اسکے متعلق ہیں وہ انجام دے سکتا ہے اس کے لئے سلطنت کی ضرورت نہیں۔ کیا ہمارے اس فعل سے قوی نہیں ہوتا ہے۔ اقل درجہ یہ احتمال نہیں ہے کہ اس سے وہ فائدہ اٹھائیں گے۔

نصاریٰ کے اس دعویٰ کو کہ خلیفہ باوجود ہمارے استیلاء کے آزاد ہے اس نظام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جب یہ نظام بجائے خود نہ خلافت ہے نہ خلافت کے خلاف ہے بلکہ یہ نظام تو اس مقصد کے لئے قائم کیا گیا ہے کہ خلافت اغیار کے تسلط سے آزاد ہو اور مرکزی حیثیت پیدا کرے تو اس سے استیلاء نصاریٰ کو کیوں کر تقویت پہونچ سکتی ہے۔

اور نصاریٰ کا یہ کہنا کہ خلافت اسلامیہ کے لئے سلطنت کی ضرورت نہیں ایسی غلطی ہے کہ جس کو مسلمانوں کے سوائے دوسرے مذاہب کے ذی علم اور صاحب فہم بھی جان سکتے ہیں۔ خلافت کا اثر دینی اور دنیاوی دونوں قسم کے معاملات پر یکساں ہونا چاہئے۔ اگر ایسا نہ ہو تو خلیفہ کی حیثیت ایک مفتی کی سی رہ جائے جو فتوے لکھ دینے کے سوائے کوئی اختیار اس فتویٰ کے منوانے کا نہ رکھتا ہو۔ اور جب ہند کے امراء شریعت تمام مسلمانان ہند کو ایک مرکز پر لا کر نظام شرعی کے تحت میں اپنی پوری قوت سے اس امر کا پرزور مطالبہ کرتے رہیں گے کہ خلیفہ اسلام کو آزاد ہونا چاہئے اور صرف مطالبہ ہی نہیں بلکہ اس آزادی کے حصول کی سعی پیہم میں مشغول رہیں گے تو استیلاء نصاریٰ کو تقویت پہونچے گی یا تفویت (۱)۔ ان کے دعوے کا رد ہوگا یا تائید۔ اس کو آپ خود غور فرما سکتے ہیں۔

باقی رہا نصاریٰ کا اس قسم کا دعویٰ کرنا یا ان چیزوں سے فائدہ اٹھانا، اس سے نہ کوئی آج مانع ہے نہ کل مزاحم تھا۔

یعنی ان کو قوت نہیں پہونچے گی بلکہ ان کا قبضہ کمزور اور ان کا مقصد فوت ہوگا

ہندوستان میں امور سیاسیہ کے نظام کی غرض سے جمعیۃ العلماء کا انعقاد ہوا ہے
اس کا صدر کیا وہ فرائض انجام نہیں دے سکتا ہے۔ جو امیر الشریعت یا اسی قسم کا
شخص انجام دے سکتا ہے۔ اور کیا امیر الشریعت ہمارے عقائد واعمال عبادیہ کی
بھی نگرانی کرے گا یا صرف امور سیاسیہ کی۔ اگر اعمال عبادیہ کی بھی نگرانی کرے
گا تو اختلافات کی صورت میں کیا رویہ ہوگا؟

گذارش ہے کہ مجھے اس میں شک اور شبہ نہیں کہ جمعیۃ علماء ہند کا صدر ان کل فرائض کو انجام دے سکتا ہے جو کچھ امیر الشریعت انجام دے سکے گا۔ لیکن اس وقت تک جو حالت رہی ہے اس کو مفاوضہ اولیٰ کے جواب میں عرض کر چکا ہوں۔ اور جناب کرامی پر پوشیدہ نہیں کہ ''دنیا بامید قائم است'' پر کب تک عمل کیا جا سکتا ہے۔ ثانیاً عرض ہے کہ جمعیت علماء اور اس کے صدر کو آنجناب اگر ان اغراض کیلئے کافی تصور فرماتے ہیں اور اس کے صدر کو شرعی حیثیت دے کر امیر شریعت کی طرح قائم فرماتے ہیں تو آپ کے خیال میں کیا صدر جمعیت علماء کا قوت غالب سے متاثر ہونا یا خوف و طمع کا غلبہ محتمل نہیں ہے اور کیا۔ جب شیخ الاسلام مصر و قسطنطنیہ بلکہ خود خلیفۃ المسلمین کا قہر و غلبہ کی حالت میں نصاریٰ کے اغراض کے موافق کام کرنا آنجناب کے الفاظ میں آنجناب سے پوشیدہ نہیں ہے تو کیا یہی احتمال صدر جمعیت کے متعلق نہیں ہوسکتا اور کیا جمعیت علماء کی اس ہیئت کذائیہ کے سنت ہونے کے طرف جناب ایما فرما کر ممنون نہیں فرمائیں گے۔

جناب نے رقم فرمایا ہے کہ امور سیاسیہ کے نظام کی غرض سے جمعیۃ العلماء کا انعقاد ہوا ہے، اس کو واضح فرمایا جائے کہ صرف امور سیاسیہ ہی مقصود ہے نہ غیر تو اس

کے لئے مسلم لیگ کی جماعت کام کرنے والی موجود تھی۔ جمعیۃ علماء کی کیا حاجت۔ جمعیۃ علماء کا مقصود تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ اس کا ہر قدم نظام شرعی کی طرف شرعی صورت اور ہیئت میں اٹھتا نہ کہ محض رسمی اور ہنگامی انجمنوں کی صورت میں، جیسا کہ واقع ہے۔ اور اگر جمعیۃ علماء کی سیاست، مذہبی سیادت کو بھی مشتمل ہے اور یہی ہونا چاہئے تو عقائد اور اعمال عبادیہ کے اختلاف کی صورت میں آنجناب کیا رویہ تجویز فرمائیں گے۔

جمعیۃ علماء بہار کی غرض اس نظام جدید سے یہ ہے کہ اس نظام کو شرعی صورت اور ہیئت کے ماتحت قائم کر کے مسلمانوں کو ایک مرکز اسلامی پر لایا جائے اور امیر شریعت امور سیاسی و مذہبی دونوں کی نگرانی حتی الوسع کرے۔ اور فتنہ وفساد، شقاق و نفاق کو روکتے ہوئے اصلاح دینی پھیلانے کی جتنی صورتیں ممکن ہوں ان کو انجام دے۔ اور اصل مقصد جو اس وقت تمام مسلمانان ہند بلکہ کل مسلمانان عالم کے پیش نظر ہے اس کی طرف نہایت حزم واحتیاط اور نہایت قوت وسطوت کے ساتھ اجتماعی قدم اٹھائے۔

جمعیت علماء ہند ایک آلہ کے طور پر معمولی کام کرسکتی ہے لیکن اصل مقصد برآری کے لئے ناکافی ہے کیونکہ جمعیت علماء ہند کی وقعت عام مسلمانوں کی نظر میں اس سے زیادہ نہیں کہ ہنگامی طوفان کا یہ بھی ایک بلبلہ ہے اور زمانہ کی دوسری انجمنوں کی تقلید میں اس نے بھی ایک شکل اختیار کرلیا ہے۔ عوام وخواص کی نظر میں اس جمعیت کی کوئی شرعی حیثیت نہیں قائم کی گئی اور نہ کسی مسئلہ شرعیہ اور منہاج نبوت پر اس کی بنیاد رکھی گئی۔ اس وجہ سے جو اثر اور جو کام ہونا چاہئے تھا اب تک نہ ہوا۔ اس لئے

حاجت اور ضرورت تھی کہ یہ نظام شرعی منہاج نبوت کی بنا پر شرعی صورت میں قائم کیا جائے جو کہ اس صوبہ بہار میں الحمدللہ کہ قائم ہو گیا ہے اور اپنا اصلی کام انجام دے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

میں امید کرتا ہوں کہ اگر آنجناب سیاست ہند اور سیاست ہنود پر نظر غائر ڈالیں گے تو اس امارت شرعیہ کی اشد ضرورت آنجناب پر ہویدا ہو جائے گی۔ پھر آنجناب کو ہم لوگوں کے کام میں شریک ہونے میں کوئی تامل باقی نہ رہے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ

۷۔ کیا اس بیعت کے بعد کوئی عمل مخصوص پیش نظر ہے یا محض بیعت ہی بیعت ہے اس عمل کی انجام دہی کے واسطے ملک تیار ہے یا تیار کیا جا سکتا ہے اس کی بھی فکر ہے۔ کیا اس فکر کے بعد آزادی سے یہ سلسلہ بیعت کا جاری رہ سکتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ جناب میری اس مخلصانہ التماس کو بغور ملاحظہ فرما کر جواب شافی عطا کریں گے۔

فقط والسلام

فقیر قیام الدین عبدالباری بقلم شاہد علی عفااللہ عنہ۔

اس بیعت کے بعد یہی کام پیش نظر ہے کہ نظام شرعی منہاج نبوت کے ماتحت برپا کیا جائے اور شرعی زندگی حاصل کی جائے۔ اور خلافت اسلامیہ کو آزاد اور اپنے اصلی مرکزی حیثیت میں لانے کی کوشش کی جائے۔ یہی فکر ہے یہی کوشش پہلے سے بھی ہورہی ہے اور ہم لوگوں کو بھی اسی کی فکر ہے۔

امیر شریعت کے تقرر اور بیعت اطاعت کے بعد بیٹھ رہنے کا ارادہ نہیں ہے۔ کام کرنے کا قصد پوری ہمت سے ہے۔ کام کچھ شروع ہو گیا ہے اور اس کا سلسلہ بتدریج بڑھایا جائے گا انشاء اللہ تعالی۔ آپ دعاء فرمائیں کہ غیر مسلموں کی مخالفت سے امور شرعیہ میں روک نہ واقع ہو۔ واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔

ابتدائی کاموں میں سے قاضی اور محتسب کا تقرر بالمعاوضہ ماہانہ ہو چکا ہے۔ بیت المال قائم ہو گیا زکوۃ اور نوافل خیرات کی آمد بھی کچھ شروع ہو گئی ہے۔ عامل اس معین ہیں۔ قریب تر زمانہ میں اس پر محصل بھی مقرر کئے جائیں گے۔ بعض جگہ سے وفد کامیاب ایا اور قریب ہی میں دوسری جگہوں میں جائے گا۔ وفود کا کام مجرد بیعت لینا نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کو احکام شرعیہ پر پابند کرانا ہے۔

آخر میں آنجناب کی توجہ جناب ہی کی تجویز بیت المال کی طرف میں منعطف کرتا ہوں۔ بیت المال کا قیام اور تحصیل زکوۃ وصدقات کا کام صرف والی اور امیر شریعت ہی کو حاصل ہے دوسرے کو نہیں۔ اس لئے جناب کی تجویز بیت المال حقیقت میں نصب والی اور امیر شریعت کی تجویز کے بالکل مرادف ہے۔ میں جناب کی صداقت اور دیانت پر اعتماد واثق کے ساتھ امید کرتا ہوں کہ ان معروضات کو جن

کی بنا محض خلوص پر ہے ان کو اسی نگاہ سے ملاحظہ فرمایا جائے گا۔ ہرگز معاندانہ ومخالفانہ جواب تصور نہ فرمایا جائے گا۔ اور اس تجویز کی پرزور تائید فرمائی جائے گی۔

والسلام مع الاکرام علیکم وعلی من لدیکم من المسلمین

محمد بدرالدین عفا اللہ تعالیٰ عنہ محرم ۱۳۴۰ھ

☆☆☆☆

حضرت فرنگی محلیؒ کا تیسرا مکتوب حضرت امیر شریعت اولؒ کے نام

مکرم عقیدت کیشاں و کعبۂ درویشاں دامت معالیہ۔

بعد تسلیم بصد تکریم عرض ہے کہ کرامی صحیفہ صادر ہوا مجھے افسوس ہے کہ بوجہ علالت کے جواب میں اس درجہ تاخیر ہوئی کہ میں اس سے مایوس ہو گیا تھا خدا کا شکر ہے کہ جناب کو صحت ہوئی اور جناب نے زحمت جواب برداشت فرمائی اللہ تعالی بدیر جناب کو سلامت باکرامت رکھے کہ مستفیضین کو افاضہ ظاہر و باطنی فرماتے رہیں آمین۔

فقیر کے شبہات کا کلیۃ ازالہ نہیں ہوا ہے اس واسطے مزید وضاحت کی ضرورت خیال کرتا ہے اور تمام امور کے قبل یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ امیر شریعت کا منصب امام اعظم کا ہے یا وہ والی ملک کی حیثیت رکھتا ہے یا نائب خلیفہ ہے خواہ بمنزلہ قاضی کے ہے. جب تک یہ متعین نہ ہو۔ ازالہ شبہات دشوار ہے جہاں تک علم ہے، مسئلہ بیعت میں ان سب کے احکامات جدا جدا ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی عرض کرنا ضروری ہے کہ نفس جواز میں فقیر کو کلام نہیں ہے، لزوم میں جو اولا سنت موکدہ ثابت ہونے کے باعث ہوتا ہے، کلام اس وجہ سے ہے کہ اپنی رائے پر اس صورت میں مقدم کرسکتا ہوں ورنہ جواز کی صورت میں تقدم لازم نہیں ہے۔ (۱)

۱۔ مکتوب میں ایسا ہی ہے مطلب واضح نہیں ہے، شاید مراد یہ ہے کہ اگر لزوم ثابت ہو جائے تو میں اپنی قائم کردہ رائے پر اسے مقدم کرسکتا ہوں لیکن لزوم کیلئے ضروری ہے کہ اولاً سنت مؤکدہ ہونا ثابت ہو جائے جس پر مجھے کلام ہے۔

جناب نے جمعیۃ علمائے ہند کی کارگزاری کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کے متعلق عرض ہے کہ جو مشکل ہے وہ یہی ہے کہ تحریکیں مفیدہ اجراء کی جاتی ہیں۔ مگر ان پر کاربند ہونا مشکل ہوتا ہے یہی حال جمعیۃ مذکورہ کا ہے مگر۔

مشکل زتوجہ تو آساں آساں زتغافل تو مشکل

جناب ایسے حضرات اگر اس کے اراکین ہوں گے تو توقع ہے کہ وہ تمام امور مفوضہ کو سرانجام دینے کے قابل ہو جائیں گے۔

جناب نے قیام مرکز کے بارہ میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے سر آنکھوں پر۔ مگر واقعات سے اطمینان نہیں ہوتا ہے۔ اتحاد اسی وقت تک مطلوب ہے. جب تک دیا نتا کیا جاسکتا ہے اور سیاست میں تو ممکن ہے مگر مذہبی امور میں علمائے ربانیین سے توقع اتحاد کی. جب تک اس کو مشاہدہ بنہ کرلیا جائے قبول خاطر نہیں ہوتا ہے۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں اور تجربہ مجھے ہوا ہے ہر کہ ومہ اتحاد واتفاق پر آمادہ نظر آتا ہے. جب تک کہ اس کے مخصوص مسائل سے بے تعرضی رہی۔ اور شائبہ پر بھی اختلاف کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ صحابہ کرام میں اتحاد ان امور میں نہیں ہوا۔ جبراً سکوت فرماتے تھے۔ حنفیہ شافعیہ کے درمیان بھی یہی حال ہے۔ مصر میں جہاں ان دونوں کی قوت ایک زمانہ میں مساوی تھی سخت اختلاف تھا۔ جب تک قوت شاہی نے تمام فرقوں کو دبائے رکھا یہاں بھی اختلاف نہیں ہوا. جب وہ کمزور پڑی ہندوستان میں بھی اختلاف مقلد وغیر مقلد وہابی وغیر وہابی پیدا ہو گیا جس کا سلسلہ اس وقت تک قائم ہے۔

مگر میں باوجود ان خیالات کے جناب کے تجربہ وارشاد پر بھروسہ کر کے آئندہ سے اس کو غیر متوقع نہ سمجھوں گا۔ یہ میری دلی آرزو تھی اللہ تعالی آپ کے کلام کی برکت سے پوری کرے میں بھی تفاول کر کے اپنے خیال کو بدلتا ہوں۔

جناب والا سے بکمال ادب عرض ہے کہ امیر شریعت کو کیسے ہی امور سے تعلق ہو۔ جب تک اس کے منصب کی تعیین نہ ہوگی اس کے ہاتھ پر بیعت کا لزوم ہونا ثابت ہونا مشکل ہے۔

جہاں تک مجھے علم ہے کہ امام اعظم کے ہاتھ پر اس قسم کی اطاعت کی بیعت خواہ عہد ہو، لازم ہے، ولاۃ وقضاۃ کو اس قسم کی بیعت لینا نہیں چاہئے اگرچہ بعض مواقع میں جبکہ سلطان اعظم تک وصول متعذر ہو۔ بعض علماء نے قضاۃ کے لئے بھی جائز قرار دیا ہے مگر لزوم کو اس وقت بھی ثابت نہیں کیا ہے۔

معاف فرمائیے گا کہ میں یہ عرض کروں۔ اقامت صلوۃ یا ایتاء زکوۃ یا نصح مسلم وغیرہ کے بیوع اگر لازم ہوتے تو اجتماع امت کا بوجہ دوام ترک کے لزوم کو باطل کرتا ہے یا اکثر امت کی تفسیق لازم آتی ہے جو منصوص شرعیہ غیر واقع ہے۔ جناب نے حدیث بخاری کو ذکر فرمایا ہے جس سے ثابت کیا جاتا ہے کہ بیعت عقبہ میں بیعت نساء لی گئی مجھے تردید کی ضرورت نہیں اس واسطے کہ اس سے جواز ثابت ہوتا ہے وہ مسلم ہے، لزوم بوجہ عدم ثبوت تمام صحابہ کے غیر ثابت ہے اور وہی غیر مسلم ہے، باوجود اس کے عرض ہے کہ یہ بیعت بھی احتمال رکھتی ہے کہ بعد نزول آیۃ بیعت نساء بلکہ بعد فتح مکہ کے ہو جیسا کہ بعض علماء نے اس کو صحیح ٹھہرایا ہے اور بخاری کی حدیث حضرت عبادہ

کی ان کے نزدیک مؤوّل ہے، اپنے کلام پر احادیث جدیدہ سے سند لاتے ہیں۔

بخاری نے کتاب الحدود میں حدیث عبادہ میں ذکر کیا ہے: ان النبی ﷺ لما بایعھم قرأ الایۃ کلھا۔ (۱) اور تفسیر ممتحنہ میں ہے قال قرأ آیۃ النساء (۲) اور مسلم میں ہے: فتلاء علینا آیۃ النساء أن لا یشرکن باللہ شیئا (۳)۔ اور نسائی نے روایت کیا ہے: قال ألا تبایعونی علی ما بایع علیہ النساء ان لا تشرکو باللہ شیئا (۴)۔ اور طبرانی نے روایت کیا ہے: بایعنا رسول اللہ ﷺ علی ما بایع علیہ النساء یوم فتح مکۃ اسی قسم کی اور بھی احادیث ہیں جن کے باعث احتمال واقع ہو گیا ہے کہ ایا عبادہ رضی اللہ عنہ نے جس بیعت کا ذکر کیا ہے وہ کس وقت ہوئی ہے ایسے محتمل سے استدلال نہیں کیا جاتا ہے۔

ملاحظہ فرمایئے کہ حدیث نسائی سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ پہلے اس قسم کی بیعت عورتوں نے کی اس کے بعد آپ نے مردوں کو اس قسم کی بیعت کی تحریص فرمائی جناب کا احتمال عورتوں کا بیعت کے لئے آنا اور ان کی یہ درخواست اسی بنا پر تھی کہ اصحاب کی بیعت کرنے کو وہ سنا کرتی تھیں۔ اس سے اگر جناب نے مطلقاً بیعت مراد

۱۔ لفظ حدیث یہ ہے: کنا عند النبی ﷺ فی مجلس فقال بایعونی علی ان لا تشرکوا باللہ شیئا ولا تسرقوا، ولا تزنوا و قرأ ھذہ الایۃ کلھا۔ ٦٧٨٤ باب الحدود و کفارہ۔

۲۔ حدیث ٤٨٩٤ کتاب التفصیر سورۃ الممتحنہ۔

۳۔ صحیح مسلم حدیث ١٧٠٩ بروایت عبد ابن حمید بسندہ عن الزھری زادفیہ فتلا علینا آیۃ النسا۔ رقم حدیث ١٧٠٩ کتاب الحدود باب الحدود کفارات لاھلھا۔

۴۔ اخرجہ النسائی فی باب: البیعۃ علی الجھاد۔ بسند احمد بن سعید۔ رقم الحدیث ٤١٥٩۔ ص ١٤٢/٧ کتاب البیعۃ۔ سلسہ موسوعۃ السنۃ/١٦

لی ہے تو ممکن ہے کہ واقعی ہو اور اگر خاص بیعت بالفاظ مذکور حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ مراد ہے تو نسائی کی ظاہر عبارت اس احتمال کے مقابل ہے۔

جناب والا! حضرت انس کی حدیث جس کو سنن ابن ماجہ میں ذکر کیا ہے بالکل طمانیت بخش نہیں ہے اس واسطے کہ بیعت ''امام اعظم'' سے ''دارالاسلام'' میں تھی فیما نحن فیہ میں ایسا نہیں ہے۔

جناب نے جواب سوال دوم کے ضمن میں ارشاد فرمایا ہے۔ اصل خلافت کا خلاف مقصود نہیں ہے اس کی وجہ سے پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایا یہ بیعت کس کی ہے۔ بہ حیثیت امام اعظم یا والی یا قاضی کے تو پھر عرض کیا جاوے، کہ خلاف ہے یا موافق یا موئد؟ میرے سوال کے حصہ دوم کے نسبت ارشاد فرمایا ہے کہ بانی کا مقصود یہ تھا کہ نیا فرقہ بنائے اس کے متعلق عرض کرنے سے مشاجرات صحابہ کا قصہ چھڑ جاویگا۔ ورنہ مفصل شبھ پیش کرتا یہاں صرف خدا کے شکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ بالفعل میرا اندیشہ مرفوع ہے۔

جناب نے ضمن جواب سوال سوئم جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ تسلیم ہے مگر عرض اس قدر ہے کہ جو بیعت اہل مدینہ نے کی تھی اس کا نفاذ دارالاسلام میں مشروط تھا اس واسطے کہ اعانت پر بیعت تھی اور جب کہ آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے اور مدینہ آپ کے شرف قدوم سے دارالاسلام ہو گیا۔ مقصود فقیر اس سوال سے یہ ہے کہ مقہور کو جب تک ایفاء وعدہ کی قدرت نہ ہو وہ وعدہ کرے تو فضول ہے۔ اس کے عہد کا اعتبار نہیں ہے، خصوصاً ایسا معاہدہ جو قوت غالب کے خلاف ہو۔

جناب والا اسود عنسی کے فتنہ سے مسائل استیلاء کا استنباط کریں، یا نہ کریں، فقیر اس کو ایک بہت بڑی نظیر استیلاء کی سمجھتا ہے وہاں حضرت معاذ کو اپنا امام جمعہ کر لینا اور ان کی بیعت امامت نہ کرنا فقہاء کے کلام کی دلیل ہے۔ دارالاستیلاء میں جو والی بنانے کو لازم سمجھتے ہیں، کیونکہ قلت زمانہ کے باوجود صحابہ نے اس موقع کو چھوڑ نہیں دیا لیکن یہ عرض ہے کہ ولاۃ یمن جن میں حضرت معاذ بھی تھے، حضور اقدس روحی فداہ ﷺ کے جانب سے یمن میں قیام کرتے تھے ان کی طرف سے مناصب پر مقرر تھے، ان میں سے کسی کو تقدم دینا اور بات ہے اور دوسرے کسی کو نائب السلطان مقرر کر لینا اور بات ہے۔ میں بوقت ضرورت اس کے عدم جواز کا قائل نہیں، مگر لزوم میں اس کے بھی کلام ہے۔

فقیر سے سوال فرمایا گیا ہے کہ ہندوستان کو تم دارالاسلام کہتے ہو، یا دارالحرب۔ فقیر عرض کرتا ہے کہ ہندوستان میرے نزدیک دارالاسلام ہے اور اس پر استیلاء کفار ہے مگر میں بوجہ اختلاف علمائے متدینین کہ ان کے نزدیک دارالحرب ہے، ان احکام کو بھی رد نہیں کرتا جو مخالف دارالاسلام کے نہیں مگر بنا ان کے دارالحرب ہونے پر ہے۔ اسی وجہ سے سود کے عدم جواز کا قائل اور ہجرت کے جواز بلکہ بعض صورتوں میں استحباب کا قائل ہوں۔ لیکن بحث کا خاتمہ نہیں ہوتا ہے بلکہ اس صورت میں بحث اور طویل ہو جاتی ہے اس واسطے کہ دارالاسلام میں سوائے بیعت خلیفہ سابق کے کسی کی بیعت روا نہیں ہے وہاں تو جواز بھی تشریف لے جاتا ہے۔ فرضیت یا وجوب یا سنیت کا تو اثبات بہت مشکل ہے میں بفرض دارالحرب کے بھی صورت عرض کر دی

ہے اگر اس کے موافق ثبوت ملے گا تو سکوت کرنے کا ارادہ کرلیا ہے۔

فقیر نے اپنا مسلک کبھی دار الامن کا نہیں ذکر کیا ہے شاید بعض علماء کا لکھا ہو، فقیر تو اس کو دار الاستیلاء سمجھتا ہے اور دار الاستیلاء کے ازالہ کو لازم جانتا ہے۔

جناب والا نے میری تحریر ثانی کے متعلق ارشاد فرماتے ہوئے پہلی عرض کے بارہ میں لکھا ہے کہ قوت مخالف کے خوف، یا طمع سے متاثر ہونے کے احتمالات ناشیہ عن غیر الدلیل کبھی امور خلافت و امارت و امامت میں مانع نہیں ہوئے۔ عرض ہے کہ خلاف کبھی غیر مسلم میں اس درجہ مقہور نہیں ہوئی، جیسا کہ آپ میں ہیں۔ بعد وقوع کے امکان سے بحث کی ضرورت نہیں مشاہدہ کے لئے دلیل کی حاجت نہیں ہے۔

جناب نے ضمن جواب سوال دوم تحریر ثانی میں ارشاد فرمایا ہے غالباً تمہارے نزدیک کسی خلیفہ کی بھی حاجت باقی نہیں رہتی تا با میر شریعت چہ رسد۔ عرض ہے واقعی اگر خلیفہ پہلے سے نہ ہوتا اور اس مقہوریت کی حالت میں نصب کیا جاتا یا خلیفہ سابق اس کو اپنا جائز قائم مقام نہ کر دیتا تو بلا شبہ میرے نزدیک ایسے مصنوعی خلیفہ کی ضرورت نہیں تھی اب تو اس خلیفہ کو جس کی خلافت قبل سے مسلم تھی قہر کفار سے آزاد کرانا ہے اور بقیاس حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس کے عزل کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

جناب نے علماء کی نگرانی کی جانب جو اشارہ فرمایا ہے اس کے متعلق عرض ہے کہ امیر شریعت مشورہ کا پابند ہوگا یا شورہ لیکن کثرت پر عمل کرے گا یا اپنی رائے کو سب پر مقدم کرے گا۔ یہ ایک صورت بحث طلب ہے۔

جناب نے جو کچھ جواب سوال سوم میں تحریر ثانی کے ارشاد فرمایا ہے اس کے متعلق پہلے عرض کر چکا ہوں اور پھر عرض کرتا ہوں کہ اسود عنسی کا معاملہ استیلائے کفار کے لئے اول دلیل ہے صحابہ کے افعال اس وقت کے، ہمارے لئے سنت تقریری ہو سکتے ہیں۔

جناب نے جس قدر سنن یہاں ادا ہو رہے ہیں ان کے اور سنت بیعت کے فرق کو ملاحظہ میں نہیں رکھا ورنہ یہ ارشاد نہ ہوتا کہ جتنی سنتیں آج کل ہندوستان میں جاری ہیں کیا آپ کے پاس ان سبھوں کی سنیت کا ثبوت دار الاستیلاء میں ہے۔ عرض ہے کہ وضوء کو دار اور استیلاء سے کوئی تعلق نہیں بخلاف بیعت اطاعت کے کہ وہاں مطلقاً اطاعت غیر مقدور ہے۔

فقیر کا مطلب دار الحرب میں ''اہل دار سے بیعت'' کا یہ ہے کہ جہاں بیعت کرنے والے سکونت کر کے کافر کی اطاعت میں ہیں وہاں کے دوسرے ساکن کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا ثبوت ملنا چاہئے۔

حضرات اہل مدینہ تک مکہ کے کفار کا اثر نہیں پہونچتا تھا اور پھر صحیح طور پر جہاں تک معلوم ہوا ہے یہی ہے کہ مکہ شریف میں قبل ہجرت کے جو بیعت کی گئی تھی وہ مشروط تھی۔ حضور کی ہجرت کر کے مدینہ میں آنے کے ساتھ، جو وقت دار الاسلام ہو جانے کا ہے اس قسم کی بیعت کو میں بھی سنت سمجھتا ہوں۔ ملا محمود عینی نے بعض محققین سے نقل کیا ہے (تحت حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ کے) والحق عندي أن حديث أبي هريرة صحيح وهو سابق على حديث عبادة والمبالغة المذكورة في

حديث عبادة على الفقه المذكوره لم تقع ليلة العقبة وإنما نص بيعة العقبة ما ذكره ابن إسحق و غيره من أهل المغازی ان النبی ﷺ قال لمن حضر من الانصار،ا با یعکم علی أن تمنعونی مما تمنعون منه نساء کم وابناء کم فبا یعوه علی ذلك وعلی ان یرحل إلیهم هو وأصحابه ثم صدرت مبایعات أخرى منها هذه البیعة وإنما وقعت بعد فتح مكة بعد أن نزلت الآية التي في الممتحنة ونزول هذه الآية بعد قصة الحد يبية (عمدة القاری شرح بخاری ١/١٧٩ ط: مكتبة ابن تيميه)

بلا خلاف اس حدیث بخاری کے متعلق اوپر عرض کر چکا ہوں۔ مقصود یہ ہے کہ احتمالات موجودہ کے ہوتے ہوئے استدلال صحیح نہیں۔

میرے نزدیک بھی بیعت عقبہ دارالحرب میں اہل دارالحرب سے تھی مگر اس کا ایفا موقوف دارالاسلام کے ہونے پر تھا بخلاف یہاں کے جناب نے جن وجوہ سے بیعت کو ضروری قرار دیا ہے انہیں وجوہ سے خدشات ایسے ہوتے ہیں کہ میں خطرناک سمجھتا ہوں اگر خطرناک نہ ہوتے تو میں اس شدید ضرورت کا لحاظ کر کے اس کی مخالفت نہ کرتا۔

بیعت اطاعت وغیرہ کا ثبوت جواز کے لئے دلیل ہے اس کی تاکید ولزوم غیر مسلم ہے۔ جناب نے جواب سوال چہارم کے ضمن میں جو کچھ ارشاد فرمایا اس میں مجھے کچھ کلام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ منشاء عالی سے واقف ہو کے اطمینان ہوا۔ اسی طرح مجھے نمبر ۵ کے جواب کی بھی ضررت نہیں معلوم ہوتی ہے نمبر ۶ کے متعلق عرض

ہے کہ جن دشواریوں کو بیعت امارت کی بنا پر میں سمجھتا ہوں ان کا حل جمعیۃ کے قیام سے اور اس کے صدر کے باعث ہوتا ہے۔صدر، جمعیۃ کے قواعد کا پابند ہے اس کی تبدیلی قواعد کے رو سے آسان ہے۔اگر مدت مقرر کردی جائے تو بلا ضرر دفع ممکن ہے۔

جو جواب صدر سے ہے وہ امیر شریعت سے نہیں ہے اس واسطے کہ یہاں بیعت اطاعت ہے جس کی روگردانی بغاوت ہے اور عزل فسق سے بھی غیر معقول ہے۔

جناب والا میرا مقصد سیاست سے سیاست شرعیہ ہے اور مخصوص فرقوں کے احکام سے بے تعلقی ہے۔مسلم لیگ یہ کام انجام نہیں دے سکتی ہے۔

جناب نے جمعیۃ علماء بہار کے مقاصد کی جو تشریح کی ہے وہ نہایت خوش آئند ہے اس قدر عرض ہے کہ بیعت کی شرط اڑادی جائے اور امیر شریعت ہی صدر جمعیۃ کر دیا جائے تو فقیر کے نزدیک شبہات کا بالکل ازالہ ہوجائے۔

جناب نے جو سوال ہفتم جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ ان اعلانات کی توضیح ہوگی جو انعقاد امیر شریعت کے متعلق دیئے گئے ہیں کیونکہ جناب صرف امیر شریعت قائم کرنے پر حصر، زندگی شرعی کا نہیں ارشاد فرماتے ہیں بلکہ یہ وسیلہ اس کا ہے .برخلاف اس کے دوسری تحریروں میں یہ نکتہ مجھے حاصل ہوا تھا۔

فقیر مرکز قائم کرنے کا مخالف نہیں ہے .بیت المال کے اجراء سے تائید جمعیۃ العلماء اور مقاصد شرعیہ کی تحصیل ہے۔

مجھے جو کچھ عرض کرنا تھا عرض کر دیا مگر مقصد اس سے یہ نہیں ہے کہ جناب اپنے مشاغل خصوصاً متعلقہ امارت شرعیہ میں حرج فرما کر اس سلسلہ کو جاری فرمانے کی تکلیف گوارا کریں کیونکہ بحث جواز ولزوم کی ہے یہ پہلے ہی عرض کر چکا ہوں اور اب بھی عرض کرتا ہوں کہ خلاف تک اپنی رائے کو ظاہر کرتا رہوں گا، مگر اختلاف کی صورت اور اجتماع کے خلاف حالت رونما ہوگی تو کثرت و جمہور کا تابع ہو جاؤں گا، کیونکہ جس قدر ضرر اس تحریک میں میں سمجھتا ہوں اس سے زیادہ ضرر افتراق میں پاتا ہوں بات کی پچ نہیں شخصی اختلاف اور نفسانی کدورت نہیں ہے۔ والتسلیم بصد تکریم

فقیر محمد عبدالباری عفا اللہ عنہ

بقلم مظفر علی (محرر) ۲ر محرم دوشنبہ ۱۳۴۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ارشادات حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

صوبہ بہار میں قیام امارت کے بعد کچھ ایسے اتفاقات ہوئے کہ میں عرصہ تک صوبہ بہار سے باہر نہ جاسکا۔ اس اثناء میں مولانا عبدالباری صاحبؒ قبلہ (مرحوم مغفور) کے بعض مضامین مسئلہ بیعت امارت کی بابت اخبارات میں شائع ہوئے۔ جس کا جواب میں نے بھی مجبوراً بذریعہ اخبارات ہی دیا و دیگر علمائے کرام نے بھی جوابات بذریعہ اخبارات دیے۔

پھر مولانا موصوف اور حضرت مولانا سید شاہ محمد بدرالدینؒ امیر شریعت اول (قدس سرہ) سے اس مسئلہ میں مکاتیب جاری ہوئے۔ اتفاق یہ ہوا کہ مولانا موصوف کا تیسرا خط آیا تو میں اسی زمانہ میں کسی قومی مجلس کی شرکت کے سلسلہ میں لکھنؤ بھی گیا اور حسب دستور مولانا موصوف ہی کا مہمان ہوا۔ ان دنوں مولانا عبدالقدیر صاحبؒ بدایونی بھی وہیں رونق افروز تھے، مولانا کے شکوک اور مکاتیب سے مولانا عبدالقدیر صاحبؒ بھی واقف تھے۔

ایک صحبت میں عندالتذکرہ یہ رائے قرار پائی کہ جو شکوک ہیں ان پر دو بدو گفتگو ہو جائے اور مسئلہ صاف ہو جائے تو بہتر ہے۔ چنانچہ دوسرے روز مولانا

عبدالباری صاحبؒ سے گفتگو ہوئی۔ مولانا عبدالقدیر صاحب بھی موجود تھے دو گھنٹہ کے اندر تمام باتیں صاف ہوگئیں بعدہ مولانا نے خود ایک تحریر بغرض اشاعت عنایت فرمائی تاکہ سب لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ مسئلہ امارت میں ہمارے اور مولانا کے درمیان اب کوئی اختلاف نہیں۔

مولانا کی وہ تحریر اخبارات میں شائع ہوگی۔ اب اس کے مولانا موصوف کے تیسرے خط میں جو شکوک تھے اس کے جوابات دینے کی حاجت نہیں رہی۔ اس لئے حضرت امیر شریعت اول نے اس کا جواب نہیں روانہ فرمایا کیونکہ اب ضرورت نہ تھی بلکہ جواب لکھ کر بھیجنا بالکل غیر مناسب تھا۔

باوجودیکہ حضرت امیر شریعت اول جواب کیلئے چند یادداشت لکھوا چکے تھے پھر بھی جواب رقم نہیں فرمایا۔ اس لئے کہ مفاہمت ہو جانے کے بعد جواب دینا کوئی معنی نہیں رکھتا ہے لیکن اب جب کہ حضرت امیر شریعت اول قدس سرہ العزیز کے مکاتیب شائع ہو رہے ہیں۔ اور اسی سلسلہ میں حضرت مولانا عبدالباری صاحب کا تیسرا خط بھی شائع ہو رہا ہے تو ضرورت محسوس ہوئی کہ اس خط میں جو سوالات وشکوک ہیں اس کے جوابات بھی قلم بند کر دیئے جائیں تاکہ ان مکاتیب کے مطالعہ کرنے والے کسی مغلطہ میں نہ پڑیں۔ اس لئے مولانا عبدالباری صاحب قبلہ (مرحوم مغفور) کا وہ خط جس میں مفاہمت اور رفع اختلاف کا تذکرہ ہے اس کو اس مقام پر نقل کرنے کے بعد ان کے تیسرے خط کا جواب تفصیلی بھی درج کر دیا جاتا ہے تاکہ ناظرین کو زیادہ بصیرت حاصل ہو۔

مولانا موصوف کا خط مذکور حسب ذیل ہے۔ ابوالمحاسن محمد سجاد۔

مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ کا آخری مکتوب

فرنگی محل لکھنؤ

مکرم ومحترم جناب مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب دام فضلہ

السلام علیکم جناب بمواجہہ مکرم الاخوان مولانا عبد القدیر صاحب مدفیضہ امارت شرعیہ کے متعلق جو مفاہمت ہوئی ہے اس کی بنا پر میں جناب سے التماس کرتا ہوں کہ. جب کہ آپ امیر شریعت صوبہ دار قائم ہونے کا مقصد تنظیم اہل اسلام فرماتے ہیں اور امامت عظمی سے اس کو کوئی مزاحمت نہیں ہے۔ نہ اس کی بیعت امامت عظمی کی ہوگی تو مجھے اس سے اختلاف کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی مجھے جو کچھ اختلاف ہے وہ نصب امام اعظم اور اس کی بیعت سے ہے وبس فقط

فقیر عبدالباری عفا اللہ عنہ

قولہ: فقیر کے شبہات کا کلیۃً ازالہ نہیں ہوا ہے اس واسطے مزید وضاحت کی ضرورت خیال کرتا ہے اور تمام امور کے قبل یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ امیر شریعت کا منصب امام اعظم کا ہے یا وہ والی ملک کی حیثیت رکھتا ہے یا نائب خلیفہ ہے خواہ بمنزلہ قاضی کے ہے۔ جب تک متعین نہ ہو ازالہ شبہات دشوار ہے۔

اقول: امیر شریعت امام اعظم نہیں ہے جس کی ولایت عامہ تمام ممالک اسلامیہ کو محیط ہوتی ہے بلکہ وہ والی ہے اور اس کی ولایت عامہ ان بلاد وقریٰ کو محیط ہوتی ہے کہ جس کی ولایت اس کے سپرد کی گئی ہو۔

اگر اس والی کا تقرر امام اعظم کی طرف سے ہو تو تفویض ولایت عامہ از جانب امام ہوگی۔ اور اس صورت میں اس ولایت کے ماتحت مسلمانوں کو اس والی کے عزل ونصب میں کوئی اختیار نہیں ہے اور اس لئے ایسی صورت میں اس والی کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی اصلا حاجت نہیں ہے کیونکہ اس والی کی اطاعت امام اعظم کی بیعت کی وجہ کر فرض ہے۔ اور ایسا والی امام اعظم کا نائب ہے حقیقۃً بھی اور صورۃً بھی۔ حقیقۃً اس سبب سے کہ وہ اپنے ولایت کے حدود میں ان فرائض کا ذمہ دار ہے جو امام اعظم کا ہے اور صورۃً اس لئے کہ خلیفہ نے ولایت عامہ اس کے سپرد کی ہے۔

اور اگر والی کا تقرر از جانب امام نہ ہو بلکہ قوم نے از خود ولایت عامہ کسی شخص کے سپرد کر کے والی بنایا ہو جیسا کہ بہار میں ہوا ہے تو اس صورت میں اس کی بیعت اسی

طرح لازم ہے جس طرح امام اعظم کی بیعت لازم ہے۔ اور یہ والی اپنے حدود ولایت میں حقیقۃً وحکماً قائم مقام امام اعظم اور نائب امام اعظم ہے اگرچہ صورۃً قائم مقام اور نائب امام اعظم نہیں ہے کیونکہ امام اعظم نے اس کو مقرر نہیں کیا اس لئے صورۃً تو وہ نائب نہیں ہوا لیکن حقیقۃً اور شرعاً قائم مقام و نائب ہے اس لئے کہ وہ امت کی طرف سے اسی ولایت عامہ کے منصب پر فائز ہے جس منصب پر امام اعظم کو یا اس کے مقرر کردہ کسی شخص کو ہونا چاہئے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ مقاصد شریعت کی تحصیل تمام امت مسلمہ پر فرض ہے۔ لیکن تمام مقاصد کا انصرام آحاد امت سے فرداً فرداً ناممکن ہے اس لئے (افراد) احاد امت جماعت کی شکل اختیار کر کے اس فرض سے سبکدوش ہو سکتے ہیں۔ اس لئے شریعت نے تحصیل مقاصد کے لئے اس اصول کی تعلیم دی کہ امت مسلمہ اپنے میں سے ایک فرد کو قائم مقام بنائے جو آحاد امت پر احکام نافذ کر کے تمام کاموں کو انجام دینے کی سعی کرے۔

پس حقیقۃً جمہور امت حاکم و آمر و ناہی ہوتی ہے اور اس کا قائم کردہ امام اعظم یا والی اس اعتبار سے امت کا نائب ہوتا ہے اس لئے امت ہی کو عزل و نصب کا اختیار ہے۔

پس جو کچھ امام اعظم یا والی آحاد امت میں تصرفات قوانین شرع کے ماتحت کرتا ہے وہ محض اس وجہ سے ہے کہ امت نے یہ کام اس کے سپرد کیا ہے اور اسی تفویض کے تحقق وثبوت کے لئے امت کے تمام افراد یا اکثر کو اس شخص کی بیعت کرنی

لازم ہے جس کے ذمہ کارہائے امت تفویض ہوں۔

لزوم بیعت اور مبایعہ اس لئے ہے کہ امت اور شخص مفوّض ومولی کے مابین یہ معاہدہ ہونا ضروری ہے کہ یہ شخص مولی قوانین شرع کے ماتحت احکام جاری کرے گا اور افراد امت ان احکام میں اس کی اتباع کریں گے۔ کیونکہ اگر یہ معاہدہ نہیں ہوا تو اس صورت میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ امت نے ولایت عامہ اس کے سپرد کی اور اس شخص نے اس کو قبول کیا۔ اور اسی معاہدہ کا نام مبایعہ ہے۔ علامہ ابن حجر فتح الباری کتاب الایمان حدیث بیعت عبادہ ابن ثابتؓ کے شرح کے ماتحت فرماتے ہیں: والمبایعة عبارة عن المعاهدة (جلداول ص ۶۰) اسی طرح عمدۃ القاری میں ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے عبدالملک ابن مروان کو اس کے خلیفہ ہونے کے بعد جو خط لکھا اس میں یہ الفاظ منقول ہیں۔ کہ اقرلك بالسمع و الطاعة۔ اور امام مالکؒ نے موٴطا میں اس حدیث کے لئے جو باب کا عنوان مقرر فرمایا ہے وہ باب المبایعہ بالکتابۃ ہے۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ ''معاہدہ سمع وطاعۃ'' کا نام بیعت ہے۔ اور اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اس معاہدہ کے لئے اقرار سمع وطاعۃ ہونی چاہئے زبان سے ہو یا کتابت سے مصافحہ ہونا ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ عمدۃ القاری شرح بخاری میں بھی اسکی تصریح ہے: قوله بالكلام لان المصافحة ليست شرطا فى صحة البيعة (جلد ۱۱ صفحہ ۴۳۰)

الغرض ولایت عامہ حقیقۃً ایک معاہدہ ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اور اس کے لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا بعد مبایعۃ خلافت ''اقبلونی'' فرمانا بھی ایک دلیل قوی

ہے پس کسی شخص کو امت کا والی یا امام مقرر کرنا اور اطاعت فی المعروف کا عہد و اقرار نہ کرنا باطل و بے معنی ہے۔

اس لئے ضروری ہے کہ اگر مسلمانوں پر تقرر والی واجب ہے تو اسی والی کی بیعت بھی واجب ہے کہ مقدمہ واجب واجب ہے بلکہ اگر والی کا انتخاب واجب ہوتا جب بھی بیعت والی لازم و واجب ہوتی کیونکہ ولایت والی کے تحقق کیلئے شرعاً بیعت لازم ہے بلکہ قاضی اگر والی کی طرف سے مقرر نہ ہو اور امت مجبوراً خود قاضی مقرر کرے جب بھی بیعت لازم ہے۔

جیسا کہ شرح مواقف کی عبارت اس پر دلالت کرتی ہے۔ حضرات شیعہ انعقاد امامت بلکہ انعقاد جملہ ولایات بالبیعۃ کو نہیں تسلیم کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں یہ عبارت ہے۔

الثالث القضاء و كذا الحسبة امر جزئى و لا ينعقد بالبيعة فكيف ينعقد بها الامامة العظمىٰ العامة لجميع المسلمين كافة قلنا لانم عدم القضاء أو الحسبة بالبيعة للخلاف فيه وان سلّم عدم انعقاده بها فذلك عند وجود الامام لا مكان الرجوع اليه فى هذا المهم و اما عند عدمه فلا بد من القول بانعقاده بالبيعة تحصيلا للمصالح المنوطة ودرء المفاسد المتوقعة دونه اى دون القضاء۔

قولہ: اتحاد اسی وقت تک مطلوب ہے جب تک دیانۃً کیا جا سکتا ہے اور سیاست میں تو ممکن ہے مگر مذہبی امور میں علمائے ربانیین سے توقع اتحاد کی جب تک اس کو مشاہدہ نہ کر لیا جائے قبول خاطر نہیں ہوتا ہے۔

اقول: اتحاد تو بہر حال مطلوب ہے اگر چہ تفرقہ واختلاف میں بظاہر کچھ نفع نہ معلوم ہو۔ جیسا کہ علماء کا قول ہے کہ اتفاق واتحاد میں جو مکروہات ونقصانات معلوم ہوں وہ ان منافع سے بہتر ہیں جو اختلاف وافتراق میں حاصل ہوں۔

ولهذا قيل ما يكرهون فى الجماعة خير مما يجمعون من الفرقة (فتاویٰ ابن تیمیہ جلد رابع صفحہ ۲۲۴)۔

باقی رہا دیانت تو یہ بھی بہر حال مطلوب ہے کہ: من لا ديانة له لا ايمان له حدیث میں وارد ہے۔ اور سیاست بھی تو وہی مطلوب ہے جو شرعی ہو۔ اتحاد بین المسلمین علمائے ربانیین ہی سے متوقع ہے۔ خالص مذہبی امور میں بھی اور سیاسی میں بھی اس لئے کہ:

وكل من كان اقرب الى الاعتصام بحبل الله وهو اتباع الكتاب والسنة كان اولى بالهدى والاجتماع والرشد والصلاح والبعد عن الضلال والافتراق والفتنة (منہاج السنہ جلد ثالث صفحہ ۲۴۱)

ہاں جو کچھ افتراق کا اندیشہ ہے تو وہ صرف علماء سوء سے ہے مگر ان کا حکم معروف ومشہور ہے۔ پھر جب وہ علماء سوء ہوئے تو وہ ارباب حل وعقد ہی نہیں رہے ان کی وجہ سے علماء ربانیین کیوں ادائے وجوب کے سعی سے باز رہیں۔

قولہ: صحابہ کرام میں اتحاد ان امور میں نہیں ہوا۔ جبراً سکوت کرتے تھے۔

اقول: مذہبی امور میں اتحاد کے یہ معنی نہیں ہیں کہ فروعی مجتہد فیہ مسائل میں ہر شخص ایک ہی قول پر عمل کرے بلکہ مقصود ترک منازعت وطعن ہے اور عہد صحابہ میں یقیناً عموماً فروعی مسائل میں نہ نزاع ہوئی اور نہ طعن کی بوچھار۔ جبراً سکوت کرنا قطعاً صحیح نہیں ہے۔ جن مسائل میں خلفاء سے کسی کو اختلاف تھا اور جب تک اس رائے پر قائم رہا برابر اسی کے مطابق عمل کرتا اور سائلین کو اسی کے مطابق جواب بھی دیتا رہا۔ یہ لفظ غالباً مولانا کے قلم سے سہواً نکل گیا ہے۔ اگر صحابہ کی یہ صفت تسلیم کرلی جائے تو پھر شریعت سے اعتماد جاتا رہے۔

مدارج تفقہ فی الدین کے اعتبار سے اختلاف آراء لازم ہے اور باوجود ان امور کے اجتماعی زندگی کے اصولوں میں اتحاد بھی ضروری ہے۔

باقی بندۂ حرص وہوا جو بعد قرون اولیٰ ہوئے اور آج بھی ہو سکتے ہیں تو ان کی وجہ سے علماء ربانیین پر جو ادائے وجوب کی سعی واجب ہے ساقط نہیں ہوسکتی۔

قولہ: جناب والا سے بکمال ادب عرض ہے کہ امیر شریعت کو کیسی ہی امور سے تعلق ہو جب تک اس کے منصب کی تعیین نہ ہوگی اس کے ہاتھ پر بیعت کا لزوم ہونا مشکل ہے جہاں تک مجھے علم ہے کہ امام اعظم کے ہاتھ پر اس قسم کی بیعت خواہ عہد ہو لازم ہے ولاۃ وقضاۃ کو اس قسم کی بیعت لینا نہیں چاہئے۔ اگرچہ بعض مواقع میں جبکہ سلطان اعظم تک وصول منعقد ہو بعض علمائے قضاۃ کے لئے بھی جائز قرار دیا ہے مگر لزوم کو اس وقت بھی ثابت نہیں کیا ہے۔

اقول: منصب امیر شریعت کا تعیین اور لزوم بیعت کو میں پہلے بیان کر چکا ہوں اس مقام پر اس قدر اور گزارش ہے کہ جبکہ قضاۃ کا تقرر از جانب امام اعظم نہ

ہو بلکہ امام اعظم کی طرف سے تقرر متعذر ہو تو قضاۃ کے لئے ولایہ قضا کا ثبوت شرعاً کن اصول سے ہوگا۔

ظاہر ہے کہ از خود کوئی قاضی بن بیٹھے اس سے قاضی نہیں ہو سکتا اور سلطان اور والی سے تقرر ہوا نہیں۔ پھر سوا اس کے کوئی صورت ہی نہیں کہ مقامی ارباب حل و عقد کسی شخص کو باتفاق رائے یا بکثرت آرا قاضی بنالیں اور اس کے قضایا کے تسلیم کا عہد کرلیں اور یہی بیعت ہے اور اس صورت میں لزوم بیعت ظاہر ہے کیونکہ شرعاً ثبوت ولایات کی تین ہی صورت ہے۔ (اول) تسلط جس کو شریعت مجبوراً جائز کہتی ہے۔ (دوم) تقرر از جانب والی اعظم (سوم) بیعت ارباب حل و عقد۔ قضاۃ کی بیعت کو جس صورت میں علما نے لکھا ہے لزوم ہی پر محمول ہے یعنی امام اعظم کی طرف سے تقرر نہ ہونے کی صورت میں۔

اور جن لوگوں نے جواز و عدم جواز کو لکھا ہے وہ دیگر صورت پر محمول ہے یعنی جب کہ امام اعظم کی طرف سے تقرر رہا ہو۔ شرح مواقف کی عبارت جو پہلے منقول ہے وہ اس پر خود دال ہے۔

> قولہ: معاف فرمایئے گا کہ میں عرض کروں اقامت صلوۃ یا ایتاء زکوۃ یا نصح مسلم وغیرہ کے بیوع اگر لازم ہوتے تو اجتماع امت کا بوجہ دوام ترک کے لزوم کو باطل کرتا ہے یا اکثر امت کی تفسیق لازم آتی ہے۔

اقول۔ یہ بیوع ترک کب ہوئے۔ عہد نبوت کے بعد بیوع خلافت کے اندر یہ تمام امور کی بیعت ہوتی رہی ہے جو اجماعاً ثابت ہے۔ خیر القرون کے بعد تک اور جب تک خلافت باقی رہی کسی نہ کسی طور پر ان بیوع کا رواج رہا طوعاً ہو یا کرہاً۔

اس کے علاوہ اہل طریقت بھی ان بیوع کو آج تک رواج دیئے ہوئے ہیں۔ اگرچہ اجتماعی اصول کے ماتحت اس کی تعیین نہیں ہوتی ہے۔ پس حقیقت ان بیوع کا آج تک ترک نہیں ہوا جو لزوم کے منافی ہو اور نہ امت کی تفسیق لازم آتی ہے۔ لیکن ہندوستان میں بعد زوال حکومت اسلامیہ اگر قیام ولایات اسلامیہ کے لئے اگر سعی نہیں کی گئی تو بیشک اثم لازم ہے۔ اور اسی اثم پر کیا موقوف ہے۔ بہت سے مآثم کا ارتکاب ہو رہا ہے۔ اور اگر ارباب حل وعقد اس کے ولایات کے اقامت کی سعی میں مشغول رہے ہیں اور عوائق نے اقامت سے باز رکھا ہے تو پھر اثم مرفوع ہے لیکن محض سستی اور غفلت یا وہمی خیالات سے ولایات قائم نہ کرنا یقیناً ترک وجوب کا ملزم بنا تا ہے۔

قولہ: جناب نے حدیث بخاری کو ذکر فرمایا ہے جس سے ثابت کیا جاتا ہے کہ بیعت عقبہ میں بیعت نساء لی گئی۔ مجھے تردید کی ضرورت نہیں۔ اس واسطے کہ اس سے جواز ثابت ہوتا ہے وہ مسلم ہے لزوم بوجہ عدم ثبوت تمام صحابہ کے غیر ثابت ہے اور وہ ہی غیر مسلم ہے۔

اقول: حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ تو اس سلسلہ میں بیان کی گئی ہے کہ کن کن چیزوں کی بیعت لینی چاہئے چنانچہ بخاری علیہ الرحمۃ نے کتاب الاحکام میں باب ''کیف یبایع الامام الناس'' کے تحت میں بھی حدیث عبادہ کو ذکر کیا ہے جس سے مقصود یہ ہے کہ بیعت کی کیفیت قولیہ بیان کی جائے۔ عینی فتح الباری وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

باقی رہا لزوم بیعت تو ثبوت ولایات و امارت کیلیئے لازم ہے۔ جس وقت اور جہاں ولایت امامت قائم ہو وہاں مبایعہ کا ہونا ضروری ہے اس کے علاوہ عقبہ اولیٰ میں بیعت، انصار سے لی گئی تھی، اس کا ذکر ہے۔ باقی دیگر صحابہ کے بیوع کا عدم ذکر عدم ثبوت کو کب مستلزم ہے جو ترک کے لئے حجت ہو سکے۔ پھر اس کے بعد مختلف اوقات میں کثرت کے ساتھ بیعتوں کی صراحت ہے بلکہ ایک ہی شخص سے تکرار بیعت بھی ثابت ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ شاید ہی کوئی صحابی بیعت کرنے سے بچ گئے ہوں۔

بہر حال ثبوت بیعت، تحقق اور ثبوت ولایات کے لئے ضروری اور لازم ہے نہ یہ کہ نفس بیعت صرف اصلاح حال کے لئے۔ دونوں میں جو فرق ہے ظاہر ہے۔

قولہ: باوجود اس کے عرض ہے کہ یہ بیعت بھی احتمال رکھتی ہے کہ بعد نزول آیہ نساء بلکہ بعد فتح مکہ کے ہو جیسا کہ بعض علماء نے اس کو صحیح ٹھہرایا ہے اور بخاری کی حدیث حضرت عبادہ کی ان کے نزدیک موؤل ہے، اپنے کلام پر احادیث جدیدہ سے سند لاتے ہیں۔

اقول: تمام محدثین و اصحاب سیر کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حضرت عبادہ بیعت عقبہ و بیعت عقبہ ثانیہ میں شریک تھے اور انہوں نے بیعت کی اس کے علاوہ فتح مکہ میں بھی شریک تھے۔

اسی کے ساتھ سب کا اس امر پر بھی اتفاق ہے کہ بیعت عقبہ اولی میں جو بیعت ہوئی تھی وہ نہ بیعت جہاد تھی نہ بیعت نصرت بلکہ بیعت سمع وطاعۃ فی المعروف

تھی اور اسی پر بیعت تھی جس کا تذکرہ بیعت نساء میں ہے۔ ایک روایت میں حضرت عبادہ کے یہ بھی ذکر ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ "حدود" فی الدنیا "کفارہ ذنوب" ہوتے ہیں۔ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ حدود کے کفارۂ ذنوب ہونے کا قطعا کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے بظاہر دونوں حدیثوں میں مسئلہ کفارہ کے بابت تعارض واقع ہوا جس کی تطبیق قاضی عیاض و دیگر علمانے کی ہے اور یہ بھی ثابت کیا ہے کہ حضرت عبادہ نے بیعت عقبہ اسی طرح پر کی تھی جیسا بخاری میں مذکور ہے۔

اور حضرت ابوہریرہؓ نے مسئلہ کفارہ میں توقف کو اولا کسی ایسے صحابی سے سنا ہوگا جس نے رسول اللہ ﷺ سے توقف کو سنا تھا جو بیعت عقبہ سے پہلے واقع ہوا ہو۔

علامہ ابن حجر اس تاویل سے راضی نہیں ہوئے مسئلہ کفارہ کی جہت سے حضرت عبادہ کے اس حدیث کو مؤخر ثابت کرنے کے درپے ہوئے۔ مگر ان کی اس تاویل کو محققین نے قبول نہیں کیا اور رد کر دیا۔ اور علامہ ابن حجر کے ایک ایک شبہہ کا معقول جواب دیا۔ اس کے بعد بھی یہ احتمال پیدا کرنا سخت تعجب انگیز ہے۔

اس کے علاوہ علامہ ابن حجر کی بحث کو اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تو صرف مسئلہ کفارہ کی بابت تسلیم کیا جا سکتا ہے نہ یہ کہ بقیہ الفاظ بیعت کی بابت۔ کیونکہ دیگر طرق میں کفارہ کا ذکر ہی نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ احتمال باطل ہے جس کا ثبوت آگے آئے گا۔

قولہ: اسی قسم کے اور بھی احادیث ہیں جن کے ماتحت احتمال واقع ہو گیا کہ آیا عبادہ رضی اللہ عنہ نے جس بیعت کا ذکر کیا ہے وہ کس وقت ہوئی۔ ایسے محتمل سے استدلال نہیں کیا جاتا ہے۔

اقول: جبکہ باتفاق محدثین اور اہل سیر یہ امر ثابت ہے کہ حضرت عبادہ بیعت عقبہ اولیٰ وثانیہ وفتح مکہ وغیرہ میں شریک رہے تو اب کون سا احتمال باقی ہے جو رفع نہیں ہوتا ہے کیا ایک قسم کی بیعتیں متعدد بار لینا ممکن نہیں ہے یا ثابت نہیں ہے۔

جن روایتوں میں قرأت آیہ نساوقت بیعت مذکور ہے یا لفظ فتح مکہ مذکور ہے ظاہر ہے کہ وہ بیعت عقبہ کے بعد کا واقعہ ہے۔ اور جن روایتوں میں نہ تلاوت آیت ہے اور نہ فتح مکہ کا ذکر ہے بلکہ بیعت عقبہ کی طرف اشارہ ہے وہ بیعت عقبہ اولیٰ پر محمول ہے۔

جبکہ سیکڑوں حدیثوں کا اضطراب محض اس احتمال سے رفع کیا جاتا ہے کہ راوی کے دو شیخ تھے اور ممکن ہے کہ اس حدیث کو دونوں نے سنا ہو۔ اور تمام علماء حنفیہ و محدثین اس طریق سے حدیث مضطرب الاسناد کی توجیہ کر کے تصحیح کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں تو پھر ما نحن فیہ میں یہ کیوں صحیح تسلیم نہیں کیا جاتا۔ جب کہ حضرت عبادہ کا بیعت عقبہ اولیٰ کے علاوہ دوسری بیعتوں میں بھی شرکت مسلّم ہے اور بیعت عقبہ اولیٰ میں انہیں چیزوں کی بیعت ثابت ہے جو بیعت نساء کا مفہوم ہے۔

> قولہ: ملاحظہ فرمائیے کہ حدیث نسائی سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ پہلے اس قسم کی بیعت عورتوں نے کی۔ اس کے بعد آپ نے مردوں کو اس قسم کی بیعت کی تحریص فرمائی۔

اقول: اس میں کونسا اشکال ہے۔ بیعت نساء کی آیت کے نزول کے بعد عورتوں نے بیعت کی۔ اس کے بعد پھر مردوں سے بھی دوبارہ اسی مضمون کی لی گئی ہو۔ کیا تکریر بیعت ممنوع ہے یا کیا یہ ثابت نہیں ہے۔ اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ

نزول آیت سے پہلے مردوں سے اس قسم کی بیعت نہ لی گئی ہو۔ خصوصاً جبکہ بیعت عقبہ اولیٰ میں اس قسم کی بیعت باتفاق محدثین اور اہل سیر ثابت ہے۔ چنانچہ آگے کی عبارتوں سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوگی۔

قولہ: جناب کا یہ احتمال عورتوں کا بیعت کے لئے آنا اور ان کی یہ درخواست اس بنا پر تھی کہ اصحاب کی بیعت کرنے کو وہ سنا کرتی تھیں۔ اس سے اگر جناب نے مطلقاً بیعت مراد لی ہے تو ممکن ہے کہ واقعی ہو اور اگر خاص بیعت بالفاظ مذکور حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ مراد ہے تو نسائی کی ظاہر عبارت اس احتمال کے مقابل ہے۔

اقول: یہ احتمال نہیں ہے بلکہ آیت بیعت نساء کا سوق کلام خود اس پر دال ہے۔

اس کے علاوہ اسلام میں سب سے پہلے بیعت عقبہ اولیٰ کا ثبوت ہے جس میں ایک عورت بھی شریک نہ تھی۔ بعدہ دوسری بیعت عقبہ ثانیہ ہے جس میں ۷۳ مرد اور دو عورتیں تھیں۔ مگر عورتوں کی بیعت بطریق زعم بیان کی جاتی ہے اگر اس دوسری بیعت میں عورتوں کی شرکت صحیح تسلیم کر لی جائے تو پھر بھی عورتوں کی بیعت بہر حال متاخر ہی ہوگی اور اس وجہ سے عورتوں میں بیعت کی تحریص ہونا لازم ہے۔

نسائی کی حدیث اس کی معارض نہیں ہوسکتی کیونکہ بیعت عقبہ اولیٰ سے پہلے بیعت کا ثبوت نہیں۔ اور بیعت عقبہ اولیٰ میں ایک عورت بھی شریک نہ تھی۔

ان امور پر عبارت ذیل بصراحت دال ہیں۔

(۱) حتی إذا كان العام المقبل وانى الموسم من الأنصار اثنا عشر

رجلا فلقوه بالعقبة وهی العقبة الا ولی فبا یعوا رسول الله ﷺ علی بیعة النساء و ذلك قبل أن یفترض علیهم الحرب (السیرة النبویة لابن ہشام ۴۵۴/۲،ط مکتبة الفیصلیة ،ومکتبة فی مؤسسة علوم القرآن،علی:۴۳۱/۱)

(۲) قال ابن إسحق: وحدثنی یزید ابن أبی حبیب، عن أبی مرثد ابن عبد الله البزنی عن عبد الرحمن بن عسیلة الصنابحی عن عبادة بن الصامت قال: کنت فیمن حضر العقبة الأولی و کنا اثنی عشر رجلا۔ فبایعنا رسول الله ﷺ علی بیعة النساء، و ذلك قبل ان یفترض علینا الحرب علی أن لا نشرك بالله شیئا، ولا نسرق ولا نزنی ولا نقتل اولاد نا ولا نأبیهتان نفتریه من بین أیدینا وأرجلنا ولا نعصیه فی معروف۔ فان وفیتم فلکم الجنه، وإن غشیتم من ذلك شیئا فامرکم إلی الله عزو جل إن شاء غفر و إن شاء عذب (السیرة النبویة لابن ہشام ۴۵۶/۲،ط:مکتبة الفیصلیة ومکتبة مؤسسة علوم القرآن. علی:۴۳۳/۱)

یہ حدیث اس قدر مفصل ہے کہ اس میں کوئی احتمال باقی ہی نہیں رہتا۔ اور علامہ ابن حجر کی تاویل کچھ کام نہیں دیتی ہے۔

حدیث صحیح الاسناد ہے اور خود حدیث میں بیعت عقبہ اولی کی صراحت ہے جن چیزوں کی بیعت لی گئی اس کی بھی صراحت ہے اور صرف مردوں سے بیعت لی گئی۔ ایک عورت بھی نہ تھی اس بیعت کو بیعت نساء سے اس لئے تعبیر کرتے ہیں کہ اس میں بیعت علی الجہاد نہیں ہے و نیز یہ کہ. جب بیعت نساء کی آیت نازل ہوئی تو اس قسم کی بیعت بیعت نساء سے معروف و مشہور ہوگئی۔ اس لئے بعد نزول آیت، بیعت

عقبہ اولیٰ کو۔ جب صحابہ بیان کرتے تھے تو بسبب اتحاد مضمون اس کو بھی بیعت نساء سے تعبیر کرنے لگے تاکہ سامعین جلد سمجھ جائیں۔

(۳) قال ابن إسحق: وكان بيعة الحرب حين أذن الله لرسوله ﷺ في القتال شروطا سوى شرطه عليهم في العقبة الأولى كانت الاولى على بيعة النساء۔ وذلك أن الله لم يكن أذن لرسول الله ﷺ في الحرب فلما اذن له فيها و با يعهم رسول الله ﷺ في العقبة الآخرة على حرب الأحمر والأسود، اخذ لنفسه واشترط على القوم لربه و جعل لهم على الوفاء بذلك الجنة (السيرة النبوية لابی محمد عبدالملک بن ہشام ۲/۴۷۶، ط: مكتبة الفيصلية، وموسسة علوم القرآن، علی: ۱/۴۵۴)

اس سے بھی ظاہر ہے کہ بیعت عقبہ اولی مثل بیعت نساء ہوئی تھی اور بیعت عقبہ ثانیہ بیعت علی الحرب ہوئی تھی اور دوسری بیعت میں نصرت کی شرط تھی نہ کہ اول میں۔

> قولہ: جناب والا حضرت انس کی حدیث جس کو سنن ابن ماجہ میں ذکر کیا ہے بالکل طمانیت بخش نہیں ہے اس واسطے کہ بیعت، امام اعظم سے دار الاسلام میں تھی۔ فیمانحن فیہ ایسا نہیں ہے۔

اقول: ابن ماجہ کی روایت محض بیعت سمع و طاعت کے ثبوت کیلئے ذکر کی گئی تھی نہ اس لئے کہ وہ بیعت دار الحرب میں تھی۔ اس کے ذکر سے مقصد یہ تھا کہ اس قسم کی بیعتیں شریعت میں مقصود و محمود ہیں۔ لیکن اگر سمع و طاعت کی بیعت کا دار الحرب میں ہونا مطلوب ہے تو وہ بھی ثابت ہے۔ اگرچہ مقصد شارع معلوم کرنے کے بعد فقیہ

کے نزدیک خصوص محل تلاش کرنے کی حاجت نہیں ہے، تاہم دار الحرب میں اس بیعت کے ثبوت کے لئے روایت ذیل کافی ہے۔

قال ابن إسحق فحد ثنی عبادة بن الولید بن عبادة بن الصامت عن أبیه الولید عن جده عبادة بن الصامت، و کان احد النقبا قال: بایعنا رسول الله ﷺ بیعة الحرب (و کان عبادة من الاثنی عشر الذین بایعوه فی العقبه الأولی علی بیعة النساء) علی السمع و الطاعة فی عسرنا و یسرنا و منشطنا و مکرهنا و أثره علینا وان لا ننازع الأمر أهله و أن نقول بالحق أینما کنا لانخاف فی الله لومة لائم۔ (السیرة النبویة لعبد الملك بن هشام ۱/٤٥٤، ط:مکتبة مؤسسة علوم القرآن، و فی مکتبة الفیصلیة، علی:۲/٤٧٦، الصحیح البخاری کتاب الاحکام مع الفتح ۲۷/۲۲۳)

یہ حدیث شریف بخاری کے کتاب الاحکام میں بھی مروی ہے اور یہ بیعت باتفاق مکہ میں قبل ہجرت ہوئی تھی یعنی بیعت عقبہ ثانیہ میں۔

باقی رہا یہ کہ ''امام اعظم'' کی تھی تو یہ پہلے گزر چکا کہ جب کسی مقام اعظم کی طرف سے تقرر والی متعذر ہو تو قوم کو خود والی بنانا چاہئے اور وہ والی اپنے حدود میں بمنزلہ امام اعظم ہوتا ہے پس جس طرح بیعت، امام اعظم کی۔ اسی طرح والی کی بیعت ہوگی۔

قولہ: جناب نے جواب سوال دوم کے ضمن میں ارشاد فرمایا ہے اصل خلافت کا خلاف مقصود نہیں ہے اس کی وجہ سے پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ بیعت کس کی ہے بہ حیثیت امام اعظم یا والی یا قاضی کے۔ تو پھر عرض کیا جاوے کہ خلاف ہے یا موافق یا موید۔

اقول: والی کے منصب کی پہلے سوال میں توضیح ہو چکی ہے اعادہ کی حاجت نہیں۔ اور یہ بھی واضح ہو چکا ہے کہ بیعت والی بسبب عدم تقرر از جانب امام اعظم لازم ہے جیسا کہ فقہائے کرام لکھتے ہیں کہ اگر سلطان کو قوم منتخب کرے تو بذریعہ مبایعہ سلطان کا حکم ہوگا۔ ہاں اگر تسلط کے ذریعہ کوئی سلطان ہو جائے تو بیشک مبایعہ کی حاجت نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اس قسم کے سلاطین غیر امام اعظم ہوتے ہیں۔

قولہ: جناب نے ضمن جواب سوال سوم جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ تسلیم ہے مگر عرض اس قدر ہے کہ جو بیعت اہل مدینہ نے کی تھی اس کا نفاذ دارالاسلام میں مشروط تھا اس واسطے کہ اعانت پر بیعت تھی اور جب کہ آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے اور مدینہ آپ کے شرف قدم سے دارالاسلام ہو گیا۔

اقول: یہ تو درست نہیں ہے اولاً اس لئے کہ احادیث و کتب سیر و فقہ میں تو کہیں اس کا پتہ نہیں۔ یعنی بیعت عقبہ اولی اور بیعت عقبہ ثانیہ پر عمل مشروط تھا۔ ثانیا یہ کہ عقبہ اولی میں اعانت کا ذکر تک نہیں تھا۔ احادیث و سیر کی کسی روایت میں یہ مذکور نہیں ہے۔ ثالثاً یہ کہ عقبہ ثانیہ میں چند چیزوں پر بیعت تھی اس میں ایک چیز یہ بھی تھی کہ اگر میں مدینہ آؤں تو تم لوگ میری اسی طرح حفاظت کرو گے جس طرح اپنی اور اپنی اولاد و عورتوں کی کرتے ہو۔ اور میری مدد کرو۔ پس اسی کو بیعت اعانت کہئے یا حفاظت کہئے۔ بیشک آنحضرت ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لے جانے پر مشروط ہے مگر دارالاسلام ہونے کا کہیں ذکر نہیں ہے لیکن اس کے ماسوا اور جتنے بیوع ہیں تو اس کی بھی شرط نہیں ہے۔

عقبہ ثانیہ کے بیعت کے تذکرہ کی علامہ ابن قیم نے حسب ذیل صراحت کی ہے۔

فقلنا یا رسول الله ﷺ علی ما نبایعك؟۔ قال تبایعونی علی السمع والطاعة فی النشاط والکسل، و علی النفقة فی العسر و الیسر و علی الأمر بالمعروف والنهی عن المنکر و علی أن تقولوا فی الله لا تأخذ کم لومة لا ئم، وعلی أن تنصرونی إذا قدمت علیکم، و تمنعونی مما تمنعون منه أنفسکم و أزواجکم و أبناء کم فلکم الجنة. فقمنا نبایعه (زاد المعاد جلد اول صفحہ ۳۶ مصری، و۳۰/۶۰۴ مطبع مکتبۃ المنار الاسلامیہ ۱۹۹۰)

اس بیعت کے بعد ہی انصار نے قصد کیا کہ کفار مکہ پر حملہ شروع کر دیں مگر آپ نے اس وقت اس سے منع کر دیا۔ چنانچہ علامہ ابن قیم لکھتے ہیں: فلما تمت هذه البیعة استاذنوا رسول الله ﷺ ان یمیلوا علی أهل العقبة باسیافهم فلم یاذن لهم فی ذلك۔ (زاد المعاد جلد اول مصری صفحہ ۳۰۷)

سیرت ابن ہشام میں ان واقعات کی تفصیل اسی طرح ہے کچھ الفاظ کا فرق ہے مگر مفہوم ایک ہے۔ لیکن انصار کے ارادہ جہاد کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ ابھی حکم قتال نہیں ہوا۔

ان واقعات سے ظاہر ہے کہ اس بیعت کا نفاذ تو اسی وقت ہو سکتا تھا۔ دار الاسلام ہونے پر مشروط نہ تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ آپ نے مصلحتاً حکم نہیں دیا یا اس سبب سے کہ ابھی قتال فرض نہیں ہوا تھا۔ اگرچہ اذن ہو چکا تھا جیسا کہ ایک جماعت کا خیال ہے۔

رابعاً یہ کہ مدینہ منورہ فوراً آپ کے تشریف لاتے ہی دارالاسلام بن گیا۔ یہ بھی محل کلام ہے ظاہر یہ ہے کہ وہاں پہونچ کر. جب یہود و مشرکین مدینہ سے موادعت نامہ لکھا گیا اور تمام مسلمان سمٹ کر وہاں جمع ہو گئے تو ان کے بعد دارالاسلام کا حکم ہو گیا کیونکہ کفار سے ترک قتال کی موادعت تو اسی وقت مشروع ہے. جب کہ کفار کی قوت غالب ہو اور مسلمانوں میں ضعف، جیسا کہ حسب ذیل عبارت اس پر دال ہے۔

و بشرطها الضرورة وهي ضرورة استعداد القتال بان كان بالمسلمين ضعف و بالكفرة قوة المجاوزة الى قوم آخرين فلا يجوز عند عدم الضرورة (بدائع جلد سابع صفحہ ۱۰۸)

مبسوط امام سرخسی سے تو یہ بھی معلوم ہوا کہ غزوہ بدر تک مدینہ منورہ کا دار الاسلام ہونا متزلزل تھا۔

یعنی. جب رسول اللہ ﷺ و دیگر مسلمین جہاد کے لئے باہر تشریف لے جاتے تھے تو اس وقت مدینہ منورہ میں یہود مشرکین منافقین کا غلبہ ہوتا تھا اور اس لئے اس وقت بھی پورے طور پر دارالاسلام کہنا مشکل ہے۔ چہ جائیکہ ابتدائے قدوم کے وقت

فالمدينة إنما كان لها حكم دارالاسلام في ذلك الوقت حين كان رسول الله ﷺ مع المسلمين فيها فأما بعد خروجهم فقد كانت الغلبة فيها لليهود و المنافقين (مبسوط جلد عاشر صفحہ ۱۸)

اسی وجہ سے حضرت عثمان غنیؓ کو غنیمت بدر میں حصہ دیا گیا باوجود اس امر کے کہ وہ بدر میں شریک نہیں ہوئے مگر چونکہ اس وقت مدینہ بھی حکم دارالحرب میں تھا اور دارالحرب بمنزلہ موضع واحد ہے اس لئے مدد جیش فی دارالحرب کے حکم میں ان کا شمار ہوا۔

حالانکہ اس وقت بھی انصار رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرتے تھے۔ بس یہ صحیح ہے کہ آپ کی نصرت وحفاظت مدینہ منورہ پہونچنے پر مشروط تھی نہ یہ کہ دارالاسلام ہونے پر۔

قولہ: مقصود فقیر اس سوال سے یہ ہے کہ مقہور کو جب تک ایفاء وعدہ کی قدرت نہ ہو وہ وعدہ کرے تو فضول ہے اس کے عہود کا اعتبار نہیں ہے خصوصا ایسا معاہدہ جو قوت غالب کے خلاف ہو۔

اقول: یہ صرف خیال ہے جس کے لئے کوئی دلیل شرعی نہیں بیان کی گئی اور نہ بیان کی جاسکتی ہے بلکہ اس کے خلاف میں دلائل وامثال موجود ہیں۔

اولا: یہ کہ تکلیف شرعی کے لئے قدرت ممکنہ شرط ہے یعنی سلامتی اعضاء جوارح وغیرہ اور قدرت میسرہ عموماً مدار تکلیف شرعی نہیں ہے۔

ثانیاً: عقد نکاح ایک نہایت مضبوط میثاق ہے۔ قرآن مجید نے خود میثاق غلیظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور اس عقد کیلئے التزام مہر لازم ہے۔ مگر مفلس محض کے مہور اسقدر ہوتے ہیں کہ وہ یقیناً وقت عقد اس کے ادا پر قادر نہیں ہوتا بلکہ تمام زندگی بھی قادر نہیں ہوتا ہے پھر اس عقد کو فقہائے کرام نے صحیح تسلیم کیا ہے محض اس بنا پر کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالی کا اس پر فضل ہو اور آئندہ ادا کرنے پر قادر ہو لیکن اگر جواز عقد وعہد کے لئے وقت عقد ایفا پر قدرت ہونا شرط قرار دیا جائے تو سرے سے نکاح ہی باطل ہوگا۔ اور اس کے جو نتائج ہوں گے وہ ظاہر ہے۔ اور آج ہندوستان میں بہت کم نکاح صحیح ودرست باقی رہیں گے۔

ثالثاً: یہ کہ امام اعظم کے زیرنگیں ممالک میں کسی شہر وگاؤں کے ذمی باشندے

جب اس گاؤں یا شہر پر قابض ہونے کا آپس میں معاہدہ کر لیں اور قابض ہو جائیں تو چاہیئے کہ وہ ذمی باقی رہیں اور ان کا اس باہمی معاہدہ وقصد کا کوئی اعتبار نہ ہو کیونکہ قوت غالب کے خلاف معاہدہ ہے۔ حالانکہ فقہاء لکھتے ہیں کہ وہ لوگ اس صورت میں حربی ہو جائیں گے۔ اور ذمی باقی نہ رہیں گے اسی طرح قلیل جماعت کا خروج علی الامام بغاوت نہ ہو کیونکہ قوت غالب کے خلاف یہ حرکت ہی قابل اعتبار نہیں ہونا چاہیئے۔

رابعاً: یہ کہ بیعت عقبہ اولی صرف بارہ شخصوں نے کی تھی جو مقہور تھے مگر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول کیا اور فضول نہیں سمجھا۔

خامساً: یہ کہ بیعت عقبہ ثانیہ میں ۷۳ مردوں نے تمام دنیا کے کافروں سے جنگ کرنے کا معاہدہ کیا جو یقیناً اس وقت تمام دنیا کے کفار سے مقہور تھے اور وہ معاہدہ قوت غالب کے خلاف تھا۔ سیرت ابن ہشام میں ہے:

وبايعهم رسول الله ﷺ في العقبة الآخرة على حرب الأحمر والأسود، اخذ لنفسه و اشترط على القوم لربه، و جعل لهم على الوفاء بذلك الجنة۔ (السيرة النبوية لابن هشام ۱/۴۵۴، ط: مؤسسة علوم القرآن، مكتبة الفيصلية مكة المكرمة ۱۴۰۲ء)

سادساً: یہ کہ مذکور الصدر بیعت کرنے والوں میں تین شخص ایسے بھی ہیں جو اگرچہ مدنی انصاری ہیں لیکن مہاجر الی الرسول تھے اور مکہ ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قیام پذیر تھے۔ یہ تو مولانا کے نزدیک بھی بالکل مقہور تھے کیونکہ بسبب اقامت مکہ مکی تھے۔ لیکن اہل مکہ کے خلاف انہوں نے بھی معاہدہ کیا۔ اس کی مزید تفصیل آئندہ آئے گی۔

قولہ: جناب والا اسود عنسی کے فتنہ سے مسائل استیلا کا استنباط کریں یا نہ کریں فقیر اس کو ایک بہت بڑی نظیر سمجھتا ہے۔ وہاں حضرت معاذ کو اپنا امام جمعہ کر لینا اور ان کی بیعت امامت نہ کرنا فقہاء کے کلام کی دلیل ہے۔ دار الاستیلاء میں جو والی بنانے کو لازم سمجھتے ہیں کیونکہ قلت زمانہ کے باوجود صحابہ نے اس موقع کو چھوڑ نہیں دیا۔

اقول۔ اسود عنسی کے فتنہ اور استیلا کے واقعات سے تو خود حضرت امیر شریعت قدس سرہ نے بھی مسائل کا استنباط کیا ہے اور بغیر اذن امام اعظم والی مقرر کرنے کا ثبوت دیا ہے اور ابن خلدون کی عبارت ہی نقل کی ہے۔

ہاں اصولاً یہ بات کہی گئی ہے کہ حقیقۃً نفس ثبوت مسئلہ ''قیام والی'' اور ''ثبوت بیعت'' کے لئے استیلاء کفار کے تلاش کی حاجت نہیں ہے۔ شریعت کے اصول اس کے لئے کافی نہیں۔ اگر یہ جزئی نہ بھی ہوتی۔ جب بھی مسئلہ کے ثبوت کے لئے اصول کافی تھے۔

ہاں حضرت معاذ صرف امام جمعہ مقرر نہیں ہوئے تھے بلکہ امیر مقرر ہوئے تھے۔ جمعہ کا تو ذکر بھی نہیں ہے۔ واقعہ صبح کی نماز کے وقت کا ہے۔ اور امیر کا انتخاب صبح صادق کے بعد ہوا اور نماز صبح انہوں نے پڑھائی کیونکہ یہی اصول تھا کہ جو والی اور امیر ہوتا وہی نماز کی امامت بھی کرتا۔

بیعت کی نفی بھی صحیح نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ فتنا فسوانی امارۃ صنعاء فاتفقوا علی معاذ۔ دلالت کرتا ہے کہ حضرت معاذ کے ولایت کی حاضرین نے بیعت کی اور یہ نہیں ہوا کہ صرف نام پیش کر دیا گیا۔ کیونکہ تقلید ولایات مثلاً خلافت۔

سلطنت امارت کے جو اصول وطریقے ہیں ان میں ایک صورت مبایعت کی ہے یعنی اگر سابق خلیفہ یا سلطان نے مقرر نہیں کیا ہے تو محمود اور اصل صورت یہ ہے کہ خود قوم مبایعت کے ذریعہ ولایت سپرد کرے اور اسی مبایعت کو فقہائے کرام کبھی لفظ ''ولوا''۔ اور کبھی لفظ ''اتفقوا'' سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی ''بایعوا'' بھی لکھتے ہیں۔ یعنی قوم نے والی بنایا یا قوم نے سلطنت سپرد کیا۔ یا قوم نے اتفاق کیا یعنی مبایعت کے ذریعہ والی بنایا۔

> قولہ: لیکن یہ عرض ہے کہ ولاۃ یمن جس میں حضرت معاذ بھی تھے۔ حضور اقدس روحی فداہ ﷺ کی جانب سے یمن میں قیام کرتے تھے ان کی طرف سے مناصب پر مقرر تھے ان میں سے کسی کو تقدم دینا اور بات ہے اور دوسرے کسی کو نائب السلطان مقرر کر لینا اور بات ہے۔

اقول: دار استیلاء میں والی بنانے کا لازم ہونا اصل بحث ہے اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا بعد استیلاء اسود عنسی بانتخاب ''والی'' مقرر ہونا اس کی ایک سند ہے۔

اب اس موقع پر وہ منتخب کیوں کئے گئے ممکن ہے کہ منتخب کرنے والوں کے سامنے یہ ہی پیش نظر ہو کہ قبل استیلاء یہ والی تھے۔ لیکن نفس مسئلہ پر تو اس کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا اگر وقت انتخاب کسی نے ایسا کہا بھی ہو (اگرچہ تاریخ میں اس کا ثبوت نہیں ملتا) تو یہ ویسا ہی ہوگا کہ جس طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ کے انتخاب کے موقع پر بعض لوگوں نے یہ کہا تھا کہ جب آنحضرت ﷺ نے اپنے حیات میں عبادت نماز کے لئے ان کو مقدم فرمایا تو پھر آج نظام خلافت کے لئے کسی کو ان پر مقدم نہ ہونا چاہئے۔ یہ وجہ تعیین شخص کے لئے ایک حجت ہو سکتی ہے نہ یہ کہ نفس مسئلہ انتخاب خلیفہ

کے لئے۔ کیا اب یہ کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لئے اپنی زندگی میں امام بنایا ہو اس کو خلیفہ کے لئے منتخب کرنا اور تقدم دینا اور بات ہے اور کسی دوسرے کا خلیفہ بنانا اور بات ہے۔ یعنی اب دوسرے کو خلیفہ نہ بنانا چاہئے، یقیناً کوئی مسلمان ایسا نہیں کہہ سکتا ورنہ پھر خلافت کا مسئلہ ہی غائب ہو جائے گا جو جمہور اہل اسلام کے خلاف بلکہ اجماع امت کے خلاف ہے پس جس طرح مسئلہ خلافت میں یہ قول صحیح نہیں اسی طرح مسئلہ ولایت میں بھی یہ قول صحیح نہیں ہے۔

پھر مولانا کا خود اقرار یہ ہے کہ یمن میں بعد استیلا حضرت معاذ کا والی مقرر ہونا فقہا کے کلام کی دلیل ہے۔ دار استیلا میں جو والی بنانے کو لازم سمجھتے ہیں کیونکہ قلت زمانہ کے باوجود صحابہ نے اس موقع کو چھوڑ نہیں دیا۔

بس ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ ہم پر کفار کا استیلاء ہے ہم کو بھی صحابہ کی اتباع میں اس موقع کو چھوڑنا نہیں چاہئے اور والی بنانا چاہئے۔ بالخصوص جبکہ فقہائے کرام بھی واجب فرماتے ہیں اور کسی فقیہ نے وجوب کی نفی نہیں کی ہے۔

قولہ: میں بوقت ضرورت اس کے عدم جواز کا قائل نہیں ہوں مگر لزوم میں اس کے بھی کلام ہے۔

اقول: ہمارے فقہاء تو واجب ولازم ہی فرماتے ہیں اور کسی نے اس وجوب کی نفی نہیں کی ہے۔ مولانا کو بھی اس کا اقرار ہے۔

باقی رہا کلام کا ہونا تو اگر وہ کلام مصرح ہوتا تو غور کیا جاتا۔ فقہائے کرام کی تصریح کے بعد تو غالبا کسی شخص کو کلام کی گنجائش بھی نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی صریح نص

فقہا کے کلام کو رد کرتی ہو تو بیشک قابل لحاظ ہے مگر آج تک کوئی نص ایسی نہیں پیش کی گئی ہے جس سے فقہا کے کلام کی تردید ہوتی ہو۔

قولہ: اس واسطے کہ دارالاسلام میں سوائے بیعت خلیفہ سابق کے کسی کی بیعت روا نہیں ہے وہاں تو جواز بھی تشریف لے جاتا ہے۔ فرضیت یا وجوب یا سنیت کا تو اثبات بہت مشکل ہے۔

اقول: غالبا لفظ سابق محرر کے قلم کی لغزش سے نقل کیا ہے شاید مقصود یہ ہو کہ دارالاسلام میں بیعت خلیفہ اسلام کے سوا کسی کی بیعت روا نہیں ہے مگر افسوس یہ ہے کہ یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ حسب تصریح فقہاء، سلطان اسلام کے تقرر کا بھی پہلا اصول یہ ہے کہ اس کے ہاتھ پر بیعت ہو۔

السلطان يصير سلطانا بامرين، بالمبايعة معهم و يعتبر فى المبايعة مبايعة أشرافهم و أعيانهم. و الثانى أن ينفذ حكمه فى رعيته خوفا من قهره و غلبته (فتاوی قاضی خاں فصل فیما یبطل الارتداد)

اور یہ ظاہر ہے کہ خلیفۃ الاسلام سلطان کے ماورا ہوتا ہے اور مافوق سلطان ہوتا ہے۔ فقہائے کرام کے کلام سے یہ بات ثابت ہے کہ سلطان غیر خلیفہ ہے جیسا کہ شامی کی مندرجہ ذیل عبارت اس پر شاہد ہے:

قوله و يجوز تقلد القضا من السلطان العادل و الجائر اى الظالم و هذا ظاهر فى إختصاص تولية القضاء بالسلطان و نحوه كالخليفة (شامی کتاب القضاء)

اور اگر قوم خود کسی کو امیر بنائے تو وہ بھی سلطان ہی کے حکم میں ہے، جیسا کہ شامی میں اس کی تصریح ہے:

ثم ان الظاهر أن البلاد التي ليست تحت حكم سلطان بل لهم أمير منهم مستقل بالحكم عليهم بالتغلب او باتفاقهم عليه يكون ذلك الأمير في حكم السلطان فيصح منه تولية القضاء عليهم (شامی جلد رابع صفحہ ۳۲۹)

پس جب والی اور امیر بھی سلطان کے حکم میں ہے تو جس طرح سلطان کی بیعت ہوتی ہے اسی طرح والی کی بھی بیعت ہوگی۔

قولہ: بفرض دارالحرب کے بھی صورت عرض کر دی ہے اگر اس کے موافق ثبوت ملے گا تو سکوت کرنے کا ارادہ کرلیا ہے۔

اقول: دارالحرب میں اہل دار سے بیعت کا ثبوت اوپر گذر چکا اور مزید ثبوت آئندہ آئے گا۔

قول: فقیر تو اس کو دار استیلاء سمجھتا ہے اور دار استیلاء کے ازالہ کو لازم جانتا ہے۔

اقول: اسی لزوم پر عمل کرنے کی شرعی صورت اندرونی حیثیت سے وہی اقامت ولایت وامارت ہے اور اس کے علاوہ ایک دوسرے وجوب کا بھی سقوط اسی صورت سے ہوتا ہے جیسا کہ فقہائے کرام نے لکھا ہے۔

قولہ: عرض ہے کہ خلافت بھی غیر مسلم میں اس درجہ مقہور نہیں ہوئی جیسا کہ آپ میں ہے بعد وقوع کے امکان سے بحث کی ضرورت نہیں ہے مشاہدہ کے لئے دلیل کی حاجت نہیں ہے۔

اقول: اصل بحث تو یہ ہے کہ قوت قاہر سے مغلوب ومرعوب ہو کر باوجود استطاعت خلاف دیانت واصول کام کرنا یا طمع سے ایسا کرنا۔ اس کا وقوع آج تک ولایت بہار میں نہیں ہوا باقی طبائع انسانی کے قوت وضعف کے اعتبار سے اس کا

امکان تو خلیفہ اعظم میں بھی ہے مگر اس امکان سے قیام خلافت سے پہلو تہی درست نہیں ہے۔

> قولہ: اگر خلیفہ پہلے نہ ہوتا اور اس مقہوریت کی حالت میں نصب کیا جاتا یا خلیفہ سابق اس کو اپنا قائم مقام نہ کر دیتا تو بلا شبہہ میرے نزدیک ایسے مصنوعی خلیفہ کی ضرورت نہ تھی۔

اقول: خلیفہ عبد المجید تو بالکل مقہوریت کی حالت میں خلیفہ بنائے گئے اور خلیفہ سابق نے ان کو قائم مقام بھی نہیں بنایا۔ پھر بھی سب لوگوں نے ان کو خلیفہ تسلیم کیا تھا۔ علماء اسلام کی رائے تو یہ ہے کہ عدم سے وجود بہر حال بہتر ہے۔ اور سقوط وجوب کیلئے کافی ہے جیسا کہ علامہ تفتازانی کے کلام سے سمجھا جاتا ہے کہ خلیفہ غیر مطاع کا وجود، سقوط وجوب کے لئے کافی ہے۔ (شرح مقاصد)

> قولہ: جناب نے علماء کی نگرانی کی جانب جو اشارہ فرمایا ہے اس کے متعلق عرض ہے کہ امیر شریعت مشورہ کا پابند ہوگا یا شوریٰ کا لیکن کثرت پر عمل کرے گا یہ ایک صورت بحث طلب ہے۔

اقول: شریعت اسلامیہ نے اس باب میں جو اصول ہمارے سامنے پیش کیا ہے اسی کے مطابق عمل ہوگا نہ ہر باب میں کثرت آرا کا اعتبار ہے اور نہ ہمیشہ امیر شریعت کی رائے کا۔

بعد مشورہ کے جو امیر شریعت کا حکم ہو وہ واجب العمل ہے اگرچہ کثرت آراء کے خلاف ہو بشرطیکہ نہ صریح نص کے خلاف ہو اور نہ امت کے حق میں فساد کا اندیشہ غالب ہو۔ اور اگر امیر کا حکم اہل شوریٰ کے کثرت رائے کے ساتھ متفق ہو لیکن خلاف

نص صریح ہو۔ یا امت کے حق میں نقصان کا غالب اندیشہ ہو تو اس صورت میں بھی عمل واجب نہیں ہے۔ یہ تمام تفصیل کتب فقہ کے اندر موجود ہے۔

قولہ: اسود عنسی کا معاملہ استیلاء کفار کے لئے اول دلیل ہے۔ صحابہؓ کے افعال اس وقت کے ہمارے لئے سنت تقریر ہو سکتے ہیں۔

اقول: اسلئے ہم بھی اس واقعہ سے حجت پیش کرتے ہیں اور قیام امارت کو دار استیلاء میں واجب سمجھتے ہیں بشرطیکہ اعلانیہ اظہار ایمان و شعائر اسلام کا موقع ہو ورنہ ایمان کو چھپا کر خفیہ طور پر ازالہ استیلاء کی سعی لازم ہے جیسا کہ ابتداءً صحابہؓ نے بھی یہی کیا ہے۔

قولہ: جناب نے جس قدر سنتیں یہاں ادا ہو رہی ہیں ان کے اور سنت بیعت کے فرق کو ملاحظہ میں نہیں رکھا ورنہ یہ ارشاد نہ ہوتا کہ جتنی سنتیں آج کل ہندوستان میں جاری ہیں کیا آپ کے پاس ان سبھوں کی سنیت کا ثبوت دار استیلاء ہی میں ہے۔ عرض ہے کہ وضو کو دار استیلاء سے کوئی تعلق نہیں۔ بخلاف بیعت اطاعت کے کہ وہاں مطلقاً اطاعت غیر مقدور ہے۔

اقول: یہ الزامی جواب تھا کہ سنت پر عمل کرنے کے لئے یہ ضرور نہیں کہ دار استیلاء یا دارالاسلام میں تاریخ سے اس کا ثبوت ہو اگر یہ ضروری ہے تو تمام سنتوں کیلئے ہونا چاہئے۔ باقی رہا غیر مقدور ہونا تو یہ تو ظاہر ہے کہ غیر مقدور کی جب تکلیف ہی نہیں تو پھر انتخاب کی وسعت کہاں سے ہوگی۔

لیکن ظاہر ہے کہ ہندوستان میں اطاعت مطلقاً غیر مقدور نہیں ہے اور یہ بالکل مشاہدہ کے خلاف ہے۔ اگر ہزاروں انسان ایک شخص واحد کی اطاعت

فی المعروف کریں تو اس میں کوئی مزاحم نہیں ہے۔ اگر اطاعت کو مطلقاً غیر مقدور تسلیم کر لیا جائے اور اس مقام میں بیعت اطاعت کو نا مشروع یا غیر مستحب بھی قرار دیا جائے تو پھر بیعت مشائخ جو تزکیہ نفس کے لئے ہوتی ہے اور وہاں بھی اطاعت ناگزیر ہے تو اس کو بھی غیر مشروع اور غیر معتبر ہونا چاہئے حالانکہ اہل علم مشائخ بھی اس کے قائل نہیں ہیں بلکہ اس کے خلاف عمل کر رہے ہیں۔

قولہ: فقیر کا مطلب دار الحرب میں اہل دار سے بیعت کا یہ ہے کہ جہاں بیعت کرنے والے سکونت کر کے کافر کی اطاعت میں ہیں۔ وہاں کے دوسرے ساکن کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا ثبوت ملنا چاہئے۔

اقول: جب کہ پورا جزیرۃ العرب دار الحرب تھا اور اس کے شہروں میں سے دو شہر مکہ و مدینہ بھی تھے۔ ایک شہر والے کے ہاتھ پر دوسرے شہر والوں نے بیعت کی۔ تو دار الحرب اور دار استیلاء میں بیعت کے ثبوت کے لئے اس قدر کافی ہے کیونکہ وہ سب حقیقۃً ایک دار کے باشندہ ہیں۔

لیکن اگر دو دار ہی فرض کر لیا جائے۔ جب بھی مسلمانوں کے باہمی معاملات پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا اس لئے کہ اختلاف دار مسلمانوں کے حق میں مانع تو رہتا نہیں ہے پس اگر مکہ اور مدینہ کو دو دار الحرب مستقلاً تسلیم کر لیا جائے تو مسلمانوں کا باہمی تعاقد و تعاہد بہر حال لازم ہے۔ اور جب دو دار والوں کا تعاقد و تعاہد درست ہوا تو دار واحد کا تو بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگا۔ بہر حال اصول تفقہ سے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ بیعت کا ثبوت دار الحرب میں اس طرح پر ہو کہ بیعت لینے والے اور بیعت کرنے والے ایک ہی دار اور ایک ہی بلد کے اندر قیام پذیر ہوں۔

تاہم بحمد اللہ یہ چیز بھی ثابت ہے کہ مکہ کے رہنے والوں نے آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر قبل ہجرت بیعت کی ہے۔

چنانچہ بیعت عقبہ اولی اور بیعت عقبہ ثانیہ میں جن لوگوں نے بیعت کی تھی ان میں بعض ایسے تھے جو قبل اس واقعہ کے مدینہ منورہ سے چلے آئے اور مکہ معظمہ آکر آنحضرت ﷺ کے متبعین میں شامل ہو گئے تھے۔

اور جب اہل مدینہ نے بیعت کی تو ان تینوں حضرات نے بھی بیعت کی اور مکہ ہی میں بعد بیعت رہے۔ یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت کر کے گئے اس لئے ان کو انصاری مہاجرین کہتے ہیں۔

(۱) عقبۃ بن وہب (۲) ذکوان بن عبد قیس (۳) عباس بن عبادہ۔ اس کا ثبوت حسب ذیل عبارتوں میں ہے۔

اسلم عقبة في أول من أسلم من الأنصار و شهد العقبتين جميعا ـ في روايتهم جميعا ولحق برسول الله بمكة فلم يزل هناك معه حتى هاجر رسول الله ﷺ فهاجر معه إلى المدينة فيقال لعقبة أنصاري مهاجري (طبقات ابن سعد جلد سوم صفحہ ۹۳ وفی ط: دار صادر بیروت ۳/۵۶۵)

شهد ذكوان العقبتين جميعا في روايتهم جميعا و كان قد لحق برسول الله ﷺ بمكة فأقام معه حتى هاجر معه إلى المدينة فكان مهاجريا انصاريا۔ (طبقات ابن سعد جلد سوم صفحہ۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸، وفی ط: دار صادر بیروت ۳/۵۹۳)

قالوا اقام العباس بمكة حتى هاجر مع رسول الله ﷺ الى المدينة

فهاجر و كان أنصاريا مهاجرا (اصابہ جلد چہارم صفحہ ۳۰)

ان تینوں حضرات کی عقبتین میں شرکت اور بیعت، سیرۃ ابن ہشام، اصابہ۔ اسد الغابہ اور طبقات ابن سعد وغیرہ میں بصراحت موجود ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ ان حضرات نے مکہ میں سکونت اختیار کرلی تھی پھر جب رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کی اس وقت ان سب نے بھی ہجرت کی اور مدینہ تشریف لائے۔ یہاں تک کہ حضرت عباس بن عبادہ کا شمار اصحاب صفہ میں سے ہے۔ (اصابہ جلد چہارم صفحہ ۳۰)

اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس بن عبادہ اور حضرت عثمان بن مظعون میں مواخاۃ کرادی تھی۔ (اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۱۰۹)

پس الحمد للہ یہ بھی ثابت ہوگیا کہ ایک ہی دار الحرب میں جب کہ بیعت لینے والے اور بیعت کرنے والے مقہور ہوں تو یہ بیعت بھی مسنون ہے۔

قولہ: حضرات اہل مدینہ تک مکہ کے کفار کا اثر نہیں پہونچتا تھا۔

اقول: کتب سیر سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کفار مکہ اپنے شوکت و جبروت کے سامنے اہل مدینہ کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتے تھے اور یہ ان کے نزدیک ذلیل تھے۔ قبل قبول اسلام اہل مدینہ بھی کفار مکہ کے سامنے اپنے کو نہایت کمزور و ذلیل سمجھتے تھے۔

چنانچہ جب انصار کے ۷۳ مردوں نے بیعت عقبہ ثانیہ بوقت شب کی تو صبح کو معززین قریش انصار کے پاس آئے اور یہ کہا کہ اے معشر الخزرج ہمیں خبر پہونچی ہے کہ تم لوگ ہمارے اس صاحب (یعنی رسول اللہ ﷺ) کے پاس گئے تھے تاکہ تم لوگ یہاں سے اس کو لے جاؤ اور اس کے ہاتھ پر ہم سے جنگ کرنے کو بیعت کرتے

ہو۔ یاد رکھو کہ خدا کی قسم قبائل عرب میں کوئی قبیلہ ایسا نہیں جس سے جنگ کرنا ہمارے نزدیک قابل نفرت ہو، سوائے تمہارے، قریش کا یہ کہنا تھا کہ اہل مدینہ کے مشرکین جو ایمان نہیں لائے تھے فوراً اٹھے اور قسمیں کھا کر معذرت کرنے لگے کہ یہ سب کچھ نہیں ہے۔ ہم کو تو اس کا علم بھی نہیں۔ (سیرت ابن ہشام)

واقعہ بعاث سے پہلے جو اوس اور خزرج کے درمیان ایک تاریخی مشہور جنگ ہے ابوالحسیر بن رافع مع چند جوانان بنی عبدالاشہل مدینہ سے مکہ معظّمہ اس لئے آئے تھے کہ قریش سے مخالفت کر کے قبیلہ خزرج سے جنگ کی جائے۔ (سیرت ابن ہشام)

اور بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد صبح کے وقت جو گفتگو قریش و انصار سے ہوئی تو قریش اس سے مطمئن نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے واقعہ کی تفتیش شروع کی۔ آخر ان کو یقین ہو گیا کہ بیعت ہوئی ہے۔ اور انصار کا انہوں نے تعاقب کیا۔ یہ لوگ مکہ سے روانہ ہو چکے تھے۔ تین انصاریوں کو قریش نے پالیا۔ مگر دو بھاگ گئے لیکن ایک شخص سعد بن عبادہ ان کے ہاتھ لگ گئے ان کی انہوں نے مشکیں باندھیں اور مارنا شروع کیا۔ کوئی شخص ان کو اس ظلم سے بچانے والا نہیں تھا۔ جبیر بن مطعم آئے اور انہوں نے قریش کے ظلم سے حضرت سعد بن عبادہ کو نجات دلائی تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ جبیر بن مطعم تاجر تھے، جب ان کے اموال تجارت کو ان کے لوگ مدینہ لے جاتے اور اہل مدینہ کچھ ظلم کرنے کا قصد کرتے تو حضرت سعد رفع دفع کرتے اور پناہ دیتے اس صلے میں اس دن جبیر نے ان کو قریش سے نجات دلائی۔ (سیرت ابن ہشام)

پس ان واقعات سے یہ ثابت ہے کہ یہ کہنا کسی طرح درست نہیں ہے کہ کفار مکہ کا اثر حضرات مدینہ تک نہیں پہونچتا تھا۔

اور اگر بالفرض قبل بیعت نہیں پہونچتا تھا تو بعد کو اکثر پہونچنا متوقع تھا اور پہونچا۔

قولہ: اور پھر صحیح طور پر جہاں تک معلوم ہوا ہے یہی ہے کہ مکہ شریف میں قبل ہجرت کے جو بیعت کی گئی تھی وہ مشروط تھی حضور کی ہجرت کر کے مدینہ میں آنے کے ساتھ دارالاسلام ہو جانے کا ہے۔

اقول: اس کا تفصیلی جواب پہلے گذر چکا ہے اس کو دیکھنا چاہئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بیعت عقبہ اولیٰ میں تو محض بیعت نساء ہوئی تھی۔ اس وقت حرب کا ذکر بھی نہیں تھا۔ اور بیعت عقبہ ثانیہ میں بیعت نساء کے علاوہ بیعت حرب بھی تھی۔ اور نفس بیعت میں مدینہ کے تشریف آوری کی کوئی شرط نہیں تھی۔ اور اگرچہ مقصود ہوگا تو صرف ایک امر کی بابت نہ یہ کہ جملہ امور کی بابت۔ پھر مدینہ کا حضرت کے تشریف لے جاتے ہی فوراً حقیقۃً دارالاسلام ہو جانا بھی محقق نہیں ہے۔ جیسا کہ سابق میں بیان کیا گیا ہے۔

قولہ: ملا محمود عینی نے بعض محققین سے نقل کیا ہے، حدیث عبادہ کے تحت:

والحق عندی أن حدیث أبی هریرة صحیح وهو سابق علی حدیث عبادة، والمبایعة المذکورة فی حدیث عبادة علی الصفة المذکورة لم تقع لیلة العقبة، وإنما نص بیعة العقبة ما ذکره ابن إسحق وغیره من أهل المغازی أن النبی ﷺ قال لمن حضر من الأنصار أبایعکم علی أن تمنعونی مما تمنعون منه نساءکم، وأبناءکم فبایعوه علی ذلک، وعلی أن یرحل إلیهم هو وأصحابه ثم صدرت مبایعات أخری منها

هذه البيعة ـ وإنما وقعت بعد فتح مكة بعد أن نزلت الآية التى فى الممتحنة وهى قوله تعالى: "يا يها النبى إذا جاءك المؤمنات يبايعنك" ونزول هذه الآية متاخر بعد قصة الحديبية بلا خلاف۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری للعلامۃ بدرالدین العینی ۱/۱۷۹، ط: مکتبۃ ابن تیمیۃ)

اقول: ملا محمود عینی نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں "وقال بعضھم" لکھ کر یہ قول نقل کیا ہے۔ اور اس بعض سے ان کی مراد علامہ حافظ ابن حجر صاحب فتح الباری ہیں۔ کیونکہ جو عبارت ملا محمود نے نقل کی ہے یہی عبارت فتح الباری میں موجود ہے۔

اور اس مسئلہ میں جو اختلاف ہے وہ میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ بہر حال ملا محمود نے یہ قول تثویب یا تصویب کے لئے نقل نہیں کیا ہے بلکہ تردید کے لئے۔ چنانچہ ان کی پوری عبارت کو نقل کر کے ان کی ہر ہر دلیل کی خوب اچھی طرح تردید کی ہے اور ابن حجر کے کلام پر چار طرح پر انہوں نے اعتراض ونظر کیا ہے۔ چنانچہ مسئلہ مبایعہ کی بات جو ملا محمود نے رد کیا ہے اور قول محقق بیان کیا ہے وہ وہی ہے جو ہم لوگ کہتے ہیں جیسا کہ ان کی عبارت ذیل اس پر شاہد ہے۔

الرابع: أن قوله والمبايعة المذكورة فى حديث عبادة على الصفة المذكورة لم تقع ليلة العقبة غير مسلّم، الائ القاضى عياض و جماعة من الأئمة الأجلاء قد جزموا بأن حديث عبادة هذا كان بمكة ليلة العقبة لما بايع الأنصار رسول الله ﷺ البيعة الاولى بمنى، و نقيم بصحة ما قالوا دلائل ـ منها: أنه ذكر فى هذا الحديث "وحوله عصابة"

وفسرو أن العصابة هم النقباء الاثنى عشر ولم يكن غيرهم هناك،

والدليل على صحة هذا ما فى رواية النسائى فى حديث عبادة هذا قال "بايعت رسول الله ﷺ ليلة العقبة فى رهط" الحديث، وقد قال أهل اللغة إن الرهط ما دون العشرة من الرجال لا يكون فيهم امرأة قال الله تعالى: "وكان فى المدينة تسعة رهط" قال ابن دريد: و ربما جاوز ذلك قليلا، قاله فى العباب" و القليل ضدا لكثير۔ وأقل الكثير ثلثة، أو أكثر القليل اثنان۔ فاذا أضفنا الا ثنين إلى التسعة يكون احد عشر، و كان المراد من الرهط هنا أحد عشر نقيبا، و مع عبادة يكونون اثنى عشر نقيبا، فاذا ثبت هذا فقد دل قطعا أن هذه المبايعة كانت بمكة ليلة العقبة البيعة الأولى۔ لأن البيعة التى وقعت بعد فتح مكة على زعم هذا القائل كان فيها الرجال والنساء و كانوا بعدد كثير۔

والثانى: أن قوله ليلة العقبة دليل على أن هذه البيعة كانت هى الأولى لأنه لم يذكر فى بقية الاحاديث ليلة العقبة، وإنما ذكر فى حديث "الطبرانى" يوم فتح مكة، ولا يلزم من كون البيعة يوم فتح مكة أن تكون البيعة المذكورة هى إياها۔ غاية الأمر ان عبادة قد أخبرأنه وقعت بيعة أخرى يوم فتح مكة و كان هو فيمن بايعوه عليه السلام۔

والثالث: أن ما وقع فى الصحيحين من طريق الصنابحى عن عبادة قال: إنى من النقباء الذين بايعوا رسول الله ﷺ وقال: بايعناه على ان لانشرك بالله شيئا الحديث، يدل على أن المبايعة المذكورة فى

الحديث المذكور كانت ليلة العقبة، و ذلك لأنه أخبر فى أنه كان من النقباء الذين بايعوا رسول الله ﷺ ليلة العقبة، واخبر أنهم بايعوه، ولم يثبت لنا أن أحدا بايعه عليه السلام قبلهم، فدل على أن بيعتهم اول المبايعات، وأن الحديث كان ليلة العقبة۔

وأما إحتجاج هذا القائل فى دعواه بما وقع فى الأحاديث التى ذكرها من قرة النبى ﷺ بالآيات المذكورة على ما ذكره فلا يتم، لأنه يحتمل أن عبادة لما حضر البيعات مع النبى ﷺ و سمع منه قرأة الآيات المذكورة فى البيعات التى وقعت بعد الحذ يبية او بعد فتح مكة ذكرها فى حديثه، بخلاف حديث البيعة الأولى فانه ليس فيه قرأة شئى من الايأت۔ و تمسك هذا القائل أيضا بمازاد فى رواية الصنابحى فى الحديث المذكورة ولا تنتهب على أن هذه البيعة متاخرة لأن الجهاد عند بيعة العقبة لم يكن فرضا۔ والمراد بالا نتهاب ما يقع بعد القتال فى المغانم۔ وهذا إستدلال فاسد ألآن الإنتهاب أعم من ان يكون فى المغانم و غيرها و تخصيصه بالمغانم تحكم و مخالف للغة۔ (عمدة القاری جلد اول صفحہ ۱۸۶، وفی نسخۃ: مکتبۃ ابن تیمیۃ علی ۱/۸۱۔۱۸۰)

اصل یہ ہے کہ علامہ ابن حجر کو مغالطہ ہو گیا ہے ورنہ ابن اسحٰق واہل مغازی نے بھی بیعت عقبہ اولیٰ میں انہیں الفاظ کو نقل کیا ہے جو حدیث عبادہ میں ہے جس کو بیعت النساء یعنی بیعہ علی منہج بیعۃ النساء سے تعبیر کرتے ہیں۔

اور جو ابن حجر نے فتح الباری میں نقل کیا ہے وہ بیعہ عقبہ ثانیہ کے اندر واقع ہوا ہے مگر یہاں بھی شرط مذکور نہیں کہ مدینہ ہجرت کرنے پر یہ بیعت مشروط ہے اور مدینہ منورہ کے دارالاسلام ہونے پر جیسا کہ عبارت سے ظاہر ہے۔

قولہ: اس بخاری کے متعلق اوپر عرض کر چکا ہوں مقصود یہ ہے کہ احتمالات موجودہ کے ہوتے ہوئے استدلال صحیح نہیں ہے۔

اقول: اس کا جواب اوپر مذکور ہو چکا اور جب محقق ثابت ہو چکا کہ بیعت عقبہ اولیٰ علی مثل بیعۃ نساء تھی اور بیعت عقبہ ثانیہ میں اس کے علاوہ بیعت علی الحرب بھی تھی۔ اور اس طرح پر تمام احتمالات مرفوع ہیں۔ پھر کلام کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ علاوہ بریں اگر اس قسم کے احتمالات سے استدلال باطل ہو جائیں گے۔ تو پھر بہت کم مسائل ہیں جو صحیح ثابت ہو سکیں۔ بالخصوص جن مسائل میں ائمہ کا اختلاف بھی موجود ہو وہاں تو صرف احتمال کا احتمال ہی نہیں بلکہ صریح اختلاف عمل موجود ہے۔ اور ''اذا جاء الاحتمال بطل الا ستدلال'' کا یہ محمل نہیں ہے بلکہ اس کا محمل دوسرا ہے۔ کما ھو مبین فی موضعہ۔

قولہ: میرے نزدیک بھی بیعت عقبہ دار الحرب میں اہل دار الحرب سے تھی مگر اس کا ایفا موقوف دارالاسلام کے ہونے پر تھا۔

اقول: یہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

قولہ: جناب نے جن وجوہ سے بیعت کو ضروری قرار دیا ہے انہیں وجوہ سے خدشات ایسے ہوتے ہیں کہ میں خطرناک سمجھتا ہوں۔

اقول: بیعت کی ضرورت تو حقیقۃً حکم شریعت اور اصول شریعت کے ماتحت

ہے اور اس جہت سے تو کوئی خطرناک نہیں سمجھ سکتا۔ اور جو کچھ خطرات ظاہر کئے گئے ہیں سب کا تفصیلی جواب مفاوضہ میں موجود ہے۔

قولہ: بیعت اطاعت وغیرہ کا ثبوت جواز کے لئے دلیل ہے اس کی تاکید ولزوم غیر مسلم ہے۔

اقول: تاکید ولزوم بر بنائے حکم امامت و ولائت و امارت ہے نہ یہ کہ نفس بیعت بلا لحاظ ولایت و امارت۔

اور ولایت و امارت کے لئے بیعت کا لزوم اس سے بھی ظاہر ہے کہ شارع علیہ السلام نے اطاعت کو بیعت پر متفرع فرمایا ہے کہ من بایع اماما و اعطی۔

قولہ: نمبر ۶ کے متعلق عرض ہے کہ جن دشواریوں کو بیعت امارت کی بنا پر میں سمجھتا ہوں ان کا حل جمعیت کے قیام سے اور اس کے صدر کے باعث ہوتا ہے۔ صدر جمعیت کے قواعد کا پابند ہے اور اس کی تبدیلی قواعد کے رو سے آسان ہے اگر مدت مقرر کر دی جائے تو بلا ضرر دفع ممکن ہے جو جواب صدر سے ہے وہ امیر شریعت سے نہیں ہے اس واسطے کہ یہاں بیعت اطاعت ہے جس کی روگردانی بغاوت ہے اور عزل فسق سے بھی غیر معقول ہے۔

اقول: اگر صدر جمعیت کو منصب والی سپرد کیا جائے اور اس کو والی تسلیم کر لیا جائے تا کہ نصب والی جو واجب ہے ہمارے گردن سے ساقط ہو اور صدر جمعیت بحیثیت والی فرائض ادا کرے تو اس صورت میں اس کی بیعت لازم ہوگئی۔ چاہے زبان سے لفظ بیعت نہ کہا جائے۔

پس اس صورت میں صرف لفظ کی تبدیلی ہوئی یعنی شرعی لفظ والی اور امیر چھوڑ

کر لفظ صدر استعمال کیا گیا اور کوئی فرق نہیں ہوگا۔ اور اگر صدر جمعیت کو یہ منصب نہیں دیا گیا تو نہ وا. جب ساقط ہوگا جو مقصود ہے اور نہ وہ سب امور اصول شریعت سے انجام پا سکتے ہیں جو نصب ولایت سے مقصود ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جمعیت علماء ہند نے بھی قیام کی تجویز باتفاق منظور کی ہے۔ باقی رہا صدر کا جوابدہ ہونا اور امیر کا جوابدہ نہ ہونا یہ تو صحیح نہیں ہے قواعد کے دونوں پابند ہوں گے امیر شریعت کے لئے خود ''قواعد شریعت'' ہی موجود ہے اگر چہ اس کے لئے وہ مصنوعی قواعد نہ ہوں جو صدر کے لئے بنائے جائیں۔

امیر سے روگردانی اس وقت بغاوت مذمومہ ہے. جب بلا وجہ شرعی ہو ورنہ مذموم نہیں ہے اور یہ بھی کلیہ صحیح نہیں ہے کہ فسق سے عزل غیر معقول ہے بلکہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور راجح یہ ہے کہ. جب فسق کی بنا پر عزل کرنے میں خونریزی کا اندیشہ نہ ہو تو عزل ہوسکتا ہے۔ ''کما ھو مفاد کلام ابن ھمام'' وغیرہ۔

قولہ: جناب والا امیر امقصود سیاست سے سیاست شرعیہ ہے اور مخصوص فرقوں کے احکام سے بے تعلقی ہے مسلم لیگ یہ کام انجام نہیں دے سکتی ہے۔

اقول: علماء کی شرکت سے تو لیگ انجام دے سکتی ہے لیکن ہاں جو مقصد نصب ولایت سے ہے وہ مقصد بیشک مسلم لیگ سے پورا نہیں ہوسکتا ہے مگر وہ مقصد جمعیۃ العلماء سے بھی پورا نہیں ہوسکتا. جب تک کہ صدر جمعیت کو بحیثیت والی نہ فرض کیا جائے۔ اور ان کو حقیقۃ والی کا منصب نہ عطا کیا جائے۔ اور اس صورت میں صرف لفظ شرعی کے اخذ و ترک کا مسئلہ سامنے رہے گا اور کچھ بھی نہیں۔ پھر ظاہر ہے کہ شرعی لفظ

رہتے ہوئے دوسری اصطلاح کیوں لی جائے۔

قولہ: اس قدر عرض ہے کہ بیعت کی شرط اڑادی جائے اور امیر شریعت ہی صدر جمعیۃ کر دیا جائے تو فقیر کے نزدیک شبہات کا بالکل ازالہ ہو جائے گا۔

اقول: نصب ولایت کے لئے والی کی بیعت ضروری ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ پھر کیونکر اس کو اڑادیا جائے۔ اس کے اڑانے کے تو یہی معنی ہوئے کہ اپنا والی کہا جائے مگر اس کی اطاعت کا عہد واقرار نہ کیا جائے جس طرح صدر جمعیت کے احکام ضروری پر عمل کرنے کا خیال نہیں ہوتا ہے۔ کیا شریعت اسی طرح والی بنانے کا حکم دیتی ہے یا ایسے نظم کی تائید کرتی ہے باقی ازالہ شبہات تو وہ بحمد اللہ ایک ایک کر کے سب زائل کر دیے گئے اس کے بعد بھی اوہام کسی کو لاحق ہوں تو اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔

قولہ: فقیر مرکز قائم کرنے کا مخالف نہیں ہے۔ بیت المال کے اجراسے تائید جمعیۃ العلماء اور مقاصد شرعیہ کی تحصیل ہے۔

اقول: یہ تو معلوم ہے کہ قیام مرکز کی مخالفت نہیں ہے مگر اصل بحث یہ ہے کہ مرکز باصول شریعت قائم کیا جائے اور موجودہ دور کے اختراعات کی تائید کر کے انجمن سازی کی جائے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لئے صرف پہلی راہ اصل اصول ہے اور وہی کرنا چاہئے۔ علماء بہار نے یہی کہا ہے۔ جمعیۃ علما ہند نے بھی خود یہی فیصلہ کیا ہے۔ پھر بیت المال کا قیام بھی تو صحیح اصول سے بغیر نصب ولایت نہیں ہوسکتا اور نہ مقاصد شرعیہ کی تحصیل ہوسکتی ہے۔

قولہ: پہلے ہی عرض کر چکا ہوں اور اب بھی عرض کرتا ہوں کہ خلاف تک اپنی رائے کو ظاہر کرتا رہوں گا مگر اختلاف کی صورت اور اجتماع کے خلاف حالت

رونما ہوگی تو کثرت و جمہور کا تابع ہو جاوے گا کیونکہ جس قدر ضرر اس تحریک
میں میں سمجھتا ہوں اس سے زائد ضرر افتراق میں میں پاتا ہوں بات کی پچ
نہیں۔ شخصی اختلاف اور نفسانی کدورت نہیں ہے۔ والتسلیم بصد تکریم۔

اقول: مولانا کے خط کی یہ آخری تحریر ہے۔ اس کے ہر ہر لفظ سے مولانا کا اخلاص اور بےنفسی ٹپکتی ہے۔ مولانا نے اس خط میں جیسا ارقام فرمایا تھا ویسا ہی کر کے دکھلایا چنانچہ۔ جب مجھ سے دو بدو گفتگو ہو کر معاملہ صاف ہو گیا تو آپ نے رفع اختلاف کا صاف صاف اعلان فرمادیا۔ اور پھر اس کے بعد جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس اجمیر کی صدارت قبول فرمائی۔ اور انہیں کی صدارت میں صوبہ وقیام امارت کی تجویز پاس ہوئی۔ انہیں کی موجودگی میں مولانا شاہ سلیمان صاحب سے بھی مفاہمت ہوئی جس میں قیام امارت۔ اور بیعت امارت کو متفقہ طور پر تسلیم کیا گیا۔ جس کو تقریباً تین سال کے بعد شاہ صاحب موصوف نے ۱۳۴۳ھ میں مجھ سے فرمایا کہ اب وہ منسوخ ہو گیا۔

☆☆☆☆☆